خبطی

محی الدین نواب

طویل انتظار کے بعد محی الدین نواب کی اولین صفحات پر رونق افروزی

دل خواہشات کا مسکن ہے۔۔۔ بقول کسی کے۔۔۔ خواہشوں کو پیدا نہ ہونے دو۔۔۔ ورنہ تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔۔۔ مگر ہر دل میں خواہشات جنم لیتی ہیں۔۔۔ امنگیں آرزوئیں پنپتی ہیں۔۔۔ جب آرزو کی کونپل پھوٹتی ہے تو۔۔۔ انسان چاہتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح تکمیل تک ضرور پہنچے۔۔۔ اس کے حصول میں قدرت بھی اس کا ساتھ دیتی ہے۔۔۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خواہش کے پورے نہ ہونے کی راہ میں انسان خود حائل ہو جاتا ہے۔۔۔ ہزار کوششوں کے باوجود تشنہ کام رہتا ہے۔۔۔ ایسے دل والوں کی داستان جن کی بے کلی اور بے قراری کا سبب صرف ایک ہی ہستی تھی۔۔۔ وہ سب انتظار اور انتخاب کے کڑے پیمانے میں جھول رہے تھے۔۔۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ مسلسل انتظار کس خوش نصیب پر ختم ہوتا۔۔۔

خاندانی الجھاووں اور روایات کے شکنجے میں جکڑی داستان عشق

اس کی بات سے اور لہجے سے اندازہ ہوا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ باتھ روم کے باہر اچھی خاصی تعداد میں بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے تولیے سے بدن پونچھ کر لباس پہننا چاہا تو وہاں دیوار پر صرف بنیان اور شلوار ہاتھ آئی۔ قمیص غائب تھی۔

میں اس ادھورے لباس کو پہن کر باتھ روم سے باہر آیا۔ وہاں باسو کے ہاتھ میں اپنی قمیص دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ اسے چند بزرگوں کے سامنے ایک چارپائی پر پھینکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''بنا ثبوت کے کسی کو مجرم نہیں کہنا چاہیے۔ پہلے اس کی تلاشی لے لو۔''

میں حیرانی اور سوالیہ نظروں سے اپنی قمیص۔۔۔اور ان بزرگوں کو دیکھ رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا، آخر ماجرا کیا ہے؟ باسو دیوار سے قمیص اٹھا کر انہیں کیوں پیش کر رہا ہے؟ جاکھے کے والد اس قمیص کی تلاشی لے رہے تھے۔

ایسے میں میرا بہنوئی حشمت آگیا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی۔ اس نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ ''بڑی گہری نیند میں تھا۔ یہ شور سن کر اٹھنا پڑا۔ یہاں کیا ہو رہا ہے؟''

جاکھے کے والد قمیص کی تلاشی لے رہے تھے۔ میں نے کہا۔ ''یہی میں پوچھ رہا ہوں، آخر یہ تلاشی۔۔۔''

میں بولتے بولتے رک گیا۔ تلاشی لینے والا ہاتھ میری قمیص کی جیب سے باہر آیا۔ سب کے سامنے مٹھی کھل گئی۔ پھیلی ہوئی ہتھیلی پر ایک انگوٹھی دکھائی دے رہی تھی۔

اسے دیکھتے ہی تمام افراد کے تیور بگڑ گئے۔ ان میں سے کچھ تو مجھے غصے سے گھورنے لگے۔ کچھ نے منہ سے گالیاں نکالیں۔ میں نے ایک دم بھڑک کر کہا۔ ''زبان کو لگام دو۔ آخر بات کیا ہے؟ یہ انگوٹھی کس کی ہے؟ میری جیب میں کیسے آگئی؟''

میرے سوالوں کے جواب میں ایک نے کہا۔ ''جادو سے آگئی ہے۔''

شکوریا، باسو اور کاچھی گرجتے ہوئے جیسے اچھل کر آئے۔ تینوں نے مجھے جکڑ لیا۔ یہ جانتے تھے کہ میں کسی ایک کے قابو میں نہیں آسکوں گا۔ لہٰذا تینوں زور آزمائی کے لیے آگئے۔

حشمت نے کہا۔ ''میرے سالے کو چھوڑو۔ ہاتھ سے نہیں، منہ سے بات کرو۔''

وہ میری مدد کے لیے آگے آیا مگر کچھ لوگوں نے اسے پکڑ کے مجھ سے دور کر دیا۔ ایسے وقت باسو نے میرے منہ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''تو نے جاکھے جیسے بھائی اور دوست

کے گھر میں ڈاکا ڈالا ہے۔"

میں نے تڑپ کر کہا۔ "یہ جھوٹ ہے۔"

اس نے کہا۔ "تو نے نئی دلہن کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔۔۔ تھو ہے تجھ پر۔"

اس نے آخ تھو کہتے ہوئے مجھ پر تھوکا۔ میں ایک طرف ہوگیا۔ وہ غلاظت مجھ پر نہیں آئی۔ یہی بے عزتی کیا کم تھی کہ میرے منہ پر تھوکا گیا تھا۔ میرے اندر جیسے بجلی سی بھر گئی۔ میں نے پوری قوت سے تینوں کو جھٹکے دیئے۔ وہ اپنی گرفت مضبوط رکھنا چاہتے تھے مگر بپھرے ہوئے زخمی اور ضدی شخص کو زنجیروں کے بغیر قابو میں نہیں کیا جاسکتا تھا۔

وہ تینوں زنجیر کی کڑیوں کی طرح ٹوٹ کر بکھر گئے۔ کوئی ادھر گیا، کوئی ادھر گیا۔ میں نے کاچھی کو ایک گھونسا رسید کیا۔ شکوریا کو ایک لات ماری پھر دوڑتا ہوا ایک طرف پڑی ہوئی لکڑی۔ اٹھا کر اسے باسو کے منہ پر جڑ دیا۔ وہ چیخیں مارتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

کچھ لوگ مجھ پر حاوی ہونے کے لیے آگے بڑھنا چاہتے تھے لیکن میرے ہاتھوں میں ایک مضبوط لکڑی دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے ذہنوں میں یہی بات تھی کہ میں ایک پاگل اور گناہ گار ہوں۔ اندھا دھند ہر ایک کو مار رہا ہوں۔

وہ تینوں بھاگ کر لوگوں کے پیچھے چھپ کر کہہ رہے تھے۔ "دیکھو! بھید کھل گیا۔ اس کے خلاف ثبوت مل گیا ہے تو یہ مارنے مرنے پر تل گیا ہے۔"

میں نے حملہ کرنے کے انداز میں لکڑی کو مضبوطی سے تھام کر کہا۔ "یہ تینوں کتے بھونک رہے ہیں اور آپ لوگ ان کی باتوں میں آکر مجھے پاگل سمجھ رہے ہیں۔ آخر میں نے کیا کیا ہے؟ یہ ذلیل، بدمعاش، دلہن کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں؟ مجھے کچھ سمجھاؤ تو سہی؟"

ایسے وقت جاکھے کے دو ساتھی رائفلیں لے کر آگئے۔ ایک نے فائر کیا۔ گولی میرے قدموں کے پاس فرش کو ایک ذرا ادھیڑتی ہوئی گزر گئی۔ دوسرے رائفل بردار نے میرا نشانہ لیتے ہوئے کہا۔ "لکڑی پھینک کر زمین پر بیٹھ جا۔ نہیں تو گولی سینے کے پار ہوجائے گی۔"

جاکھے کے باپ نے کہا۔ "تو نے گھر کی عزت کی دھجیاں اڑائی ہیں۔ جاکھے کی وہٹی تیری بہن جیسی تھی۔ تو نے اس کے ساتھ جیسی حرکت کی ہے، اس کی سزا یہی ہے کہ مار مار کر تیرا قیمہ بنا دیا جائے۔ تیرے گھر والوں کا حقہ پانی بند کردیا جائے۔ آج سے جو بھی تیرے گھر کے سامنے سے گزرے گا، وہ تیرے دروازے پر تھوکتا ہوا جائے گا۔"

میں اتنا شرمناک الزام سنتے ہی لرز گیا۔ چیخ مار کر لکڑی کو ایک طرف پھینکتے ہوئے بولا۔ "آپ کیا ماریں گے؟ میں آپ کی باتیں سن کر شرم سے مرا جا رہا ہوں۔ جاکھے کی دلہن میرے لیے چھانو جیسی ہے۔ آپ بزرگ ہیں، آپ کو سوچے سمجھے بغیر ایسی باتیں زبان پر نہیں لانی چاہئیں۔"

شکوریا نے لوگوں کے پیچھے چھپتے ہوئے کہا۔ "یہ انگوٹھی تیرے خلاف پکا ثبوت ہے۔ تو اسے دلہن کے کمرے سے لایا ہے۔"

"یہ انگوٹھی نہ پہلے کبھی میں نے دیکھی، نہ ہی میرے پاس تھی۔ پتا نہیں میری جیب میں کہاں سے آگئی؟ تم لوگ مجھے گناہ گار اور پاگل ثابت کرنا چاہتے ہو؟"

ایک رائفل بردار مجھے نشانے پر رکھ کر قریب آتے ہوئے بولا۔ "ہم تجھ سے کہہ رہے ہیں۔ زمین پر اکڑوں بیٹھ جا۔ تیری اوقات یہی ہے۔"

میں نے دونوں رائفل برداروں پر ایک نظر ڈالی۔ وہ ایک دوسرے کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے کہا۔ "یہ تمہاری اوقات ہوگی۔ زمین پر مجرموں کو اکڑوں بٹھایا جاتا ہے اور میں کوئی مجرم نہیں ہوں۔"

پھر میں نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ دیکھو! وہ کیا کہہ رہا ہے؟"

اس نے بے اختیار اُدھر دیکھا۔ میں نے پھرتی سے بندوق کی نال کو اوپر اٹھا دیا۔ اس کی انگلی ٹریگر پر تھی، گولی چل گئی۔ اگرچہ وہ ہوائی فائر تھا مگر سب ہی اپنی سلامتی کے لیے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ میں اسے رگیدتا ہوا دوسرے رائفل والے سے ٹکراتا ہوا ذرا دور تک گیا۔ پیچھے بھینسیں بندھی ہوئی تھیں۔ وہ رائفل سمیت وہاں گوبر میں گر کر لت پت ہوگیا۔

میری گرفت میں آنے والا اپنے ساتھی کی یہ حالت دیکھ کر بوکھلا گیا اور ذرا کمزور پڑ گیا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ میں نے بندوق چھین کر اسے دھکا دیا۔ وہ بھی چیختا ہوا گوبر میں گر پڑا۔

میرے ہاتھ میں بندوق آگئی تھی لہٰذا کوئی قریب نہیں آرہا تھا۔ میں نے پائدان پر پڑی ہوئی دوسری بندوق بھی اٹھالی۔ وہاں سب ہی سہم کر پیچھے ہٹ رہے تھے۔ مگر ان تین دشمنوں کا برا حال تھا۔ وہ اس بھیڑ میں پیچھے جاکر چھپنا چاہتے تھے۔

میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "اے! تم تینوں سامنے آؤ۔ ورنہ گولیاں چلاؤں گا تو دوسروں کو لگیں گی۔"

یہ بات سنتے ہی وہ سب اپنی سلامتی کے لیے ان تینوں کو دھکے دیتے ہوئے آگے آنے لگے۔ جاکھا اور اس کے بھائیوں نے ان تینوں کو اپنے حصار میں لے کر کہا۔ "بلال! گولی نہ چلانا۔ پہلے ہماری بات سن لے۔"

"مجھے کچھ نہیں سننا ہے۔ تم سب کو بتانا ہے کہ یہ میرے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ ان شیطانوں کے آگے سے ہٹ جاؤ۔"

جاکھے نے دونوں بازو پھیلا کر سینہ تان کر کہا۔ "یہ بھی میرے مہمان ہیں۔ تم بھی مہمان ہو۔ یہاں کوئی کسی کا خون نہیں بہائے گا۔ مجھے امن و امان سے سچی بات معلوم کرنے دو کہ کس نے میری عزت پر ہاتھ ڈالا ہے اور میری غیرت کو للکارا ہے؟"

میں نے کہا۔ "اس کا جواب یہی تینوں دیں گے۔ ان سے کہو، یہ سچ بول دیں۔ ورنہ میں انہیں یہاں سے زندہ نہیں جانے دوں گا۔"

کاچھی نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "ہم سے چاہے جیسی قسم لے لو۔ ہم نے یہاں بلال کے خلاف کچھ نہیں کہا ہے۔"

شکوریا نے کہا۔ "باسو بھائی نے یہ انگوٹھی بلال کے پاس دیکھی تھی۔ آپ سب نے یہاں آکر دیکھا تو یہ اس کی جیب سے نکلی۔"

باسو نے کہا۔ "جو سچ ہے، وہ سامنے آیا ہے۔ یہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

ایک بزرگ نے کہا۔ "بلال! اگر خود کو ہوش مند ثابت کرنا چاہتے ہو تو کسی پر گولی نہ چلاؤ۔ ہم بزرگوں کو سہولت سے معلوم کرنے دو کہ دلہن کے کمرے میں تم نہیں گئے تھے تو پھر کون گیا تھا؟"

میں نے کہا۔ "یہ بات دلہن ہی بتا سکے گی۔ مجھے اس کے پاس لے چلو۔ نہ اس نے مجھے دیکھا ہے، نہ مجھے الزام دے گی۔ وہ بیچاری کسی کو بھی چہرے سے پہچان نہیں سکے گی۔ صرف یہ انگوٹھی پہچان ہے۔ مگر یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ وہی انگوٹھی ہے جو دلہن کے کمرے سے لائی گئی تھی یا کوئی دوسری ہے؟"

جاکھے نے اپنے باپ سے انگوٹھی لیتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔ بلال! یہ ہتھیار بزرگوں کے حوالے کردو۔"

میں نے کہا۔ "سوری۔ جب یہ میرے ہاتھوں میں نہیں تھا، تب تم آئے تھے اور نہ بزرگ حضرات مجھے بچانے کے لیے آگے بڑھے تھے۔ میری سلامتی اسی میں ہے کہ یہ میرے ہاتھوں میں رہے۔ تم انگوٹھی لے کر جاؤ اور سچ معلوم کرو۔"

جاکھے کے باپ نے کہا۔ "ہم سب وہاں جائیں گے۔"

وہاں سب ہی کہنے لگے کہ ہم بھی جائیں گے، ہم بھی جائیں گے۔

میں نے کہا۔ "جو جانا چاہتا ہے، جائے مگر یہ تینوں میرے نشانے پر رہیں گے۔"

جاکھے نے کہا۔ "نہیں بلال! برسوں سے تم لوگوں کی دشمنی چلی آرہی ہے۔ ہم یہاں سے جائیں گے تو تم انہیں زندہ نہیں چھوڑو گے۔"

"انہوں نے خود اپنی موت کے اسباب پیدا کیے ہیں۔ مجھ پر الزام ثابت نہیں ہوگا تو ہر حال میں مارے جائیں گے۔"

ایک بزرگ نے سمجھایا۔ "خدا کرے تم پر الزام ثابت نہ ہو۔ یہ دیکھو کہ باسو نے تم پر الزام نہیں لگایا تھا اس نے جو دیکھا تھا وہ کہہ دیا اور یہ سچ ہے۔ سب نے اس انگوٹھی کو تمہاری جیب سے نکلتے دیکھا ہے۔"

دوسرے بزرگ نے کہا۔ "اب یہ دلہن کی انگوٹھی ہے یا نہیں؟ ہمیں یہ معلوم کرنے دو۔ مگر باسو، کاچھی اور شکوریا کو مار ڈالنے کی بات نہ کرو۔ تم پاگل نہیں ہو۔ خود کو ہوش مند ثابت کرو۔"

حشمت نے کہا۔ "بلال! یہ ٹھیک کہتے ہیں۔ بندوق سے نہیں عقل سے کام لو۔ ابھی سارا قصہ معلوم ہوجائے گا۔"

میں نے چند لمحے تک سوچنے کے بعد کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں بھی اس انگوٹھی کے ساتھ دلہن کے سامنے جاؤں گا۔"

باسو نے کہا۔ "وہ تمہارے ہاتھوں میں ہتھیار دیکھ کر ڈر جائے گی۔ سچ نہیں بولے گی۔"

سب ہی اس کی تائید کرنے لگے۔ ادھر میری پوزیشن ایسی تھی کہ اپنی سلامتی کی ضمانت لیے بغیر وہاں سے کسی کو جانے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔

میں نے رائفل کی نال کو باسو کے سینے پر رکھتے ہوئے کہا۔ "تینوں میں سے یہ ایک ضمانت کے طور پر یہاں رہے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں، مجھے سلامتی ملے گی تو یہ سلامت رہے گا۔"

وہ میری یہ بات مان گئے۔ باسو کو میرے پاس چھوڑ

کر جانے لگے۔ خوف کے مارے اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ میں نے کہا۔ ''تو پہلوان کہلاتا ہے۔ حوصلہ رکھ اگر گلاب بویا ہے تو ببول کے کانٹے نہیں چبھیں گے۔''

وہ سب قافلے کی صورت میں دلہن کے کمرے میں چلے گئے۔ حشمت ان کے ساتھ تھا مگر کمرے کے باہر ہی رک گیا۔ وہ لوگ آگے بڑھتے ہوئے اندر چلے گئے۔ اس نے پیچھے رہ کر ادھر ادھر محتاط نظروں سے دیکھا پھر ایک کھڑکی کے پاس آکر اندر دیکھنے لگا۔ اندر خواتین کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ عینی، چھانو اور میری امی بھی موجود تھیں۔ یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین تھیں کہ مجھ پر لگایا ہوا الزام کہاں تک درست ثابت ہونے والا ہے؟

جاکھے نے کمرے میں آکر اپنی ماں کو انگوٹھی دکھائی اور کہا۔ ''یہ بلال کی جیب سے نکلی ہے۔''

عینی کا دل دھک سے رہ گیا۔ میری امی پریشان ہوکر اس انگوٹھی کی طرف دیکھنے لگیں۔ جاکھے نے اسے دلہن کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ ''بول وہ یہی لے گیا تھا؟''

دلہن نے سارے زیورات اتار دیے تھے۔ وہ سب سرہانے رکھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا۔ ''میں نہیں جانتی، کتنے زیورات تھے اور منہ دیکھنے والیوں میں سے کس نے مجھے کتنی انگوٹھیاں پہنائی تھیں؟ وہ سب یہاں رکھی تھیں۔ وہ ان میں سے ایک اٹھا کر لے گیا تھا۔''

جاکھے کی ماں نے کہا۔ ''بہو کے اس ہاتھ کی تین انگلیوں میں انگوٹھیاں تھیں۔ کل چھ تھیں۔ یہاں سرہانے پانچ رکھی ہیں۔ ایک یہی ہے، جو جاکھا لایا ہے۔''

میری امی نے اس انگوٹھی کو ہاتھ میں لے کر دیکھا پھر پوچھا۔ ''کیا تم اس انگوٹھی کو پہچانتی ہو؟ کیا یہاں آنے والا تمہاری بہو کے پاس سے یہی انگوٹھی لے گیا ہے؟''

چھانو نے کہا۔ ''یہاں سب ہی عورتوں نے انگوٹھیاں پہنی ہیں۔ ہوسکتا ہے کسی کی انگوٹھی گم ہوگئی ہو اور گم ہونے والی انگوٹھی یہی ہو۔''

پھوپھی نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''اور یہ گم ہونے والی انگوٹھی تیرے بھائی کے پاس کیسے پہنچ گئی؟ باتیں بنانے سے بھائی کا گناہ نہیں چھپے گا؟''

عینی پریشان تھی۔ بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی۔ اس نے دلہن کو جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔ ''رب کا واسطہ۔ ذہن پر زور ڈالو، یاد کرنے کی کوشش کرو۔ بلال کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ وہ یہاں نہیں آیا تھا۔ تمہاری ایک غلط فہمی اس بے قصور کو لے ڈوبے گی۔''

شکوریا کی بہن نے کہا۔ ''تو کون ہوتی ہے، اس کی طرف داری کرنے والی؟ وہ یہاں نہیں تھا تو کیا تیرے پاس تھا؟''

عینی نے اسے گھور کر دیکھا۔ ایک بوڑھی خاتون نے کہا۔ ''اے اس لڑکے کی نیت ہی خراب تھی۔ صبح میں نے دیکھا تھا، وہ لڑکیوں کے کمرے کے پاس منڈلا رہا تھا۔''

ایک اور خاتون نے کہا۔ ''ہاں میرے چھوٹے بیٹے نے بتایا تھا کہ اس نے چھت پر عینی کا پراندہ پکڑ لیا تھا۔''

شکوریا کی بہن نے عینی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ناں۔ اب کہہ دے یہ سب جھوٹ بول رہی ہیں؟''

ایک اور خاتون نے کہا۔ ''یہاں سب نے دیکھا ہے، دلہن کی منہ دکھائی کے وقت آس پاس گھوم رہا تھا۔ اس کی نیت پہلے سے ہی خراب تھی۔''

ایک اور خاتون نے کہا۔ ''جب سب ہی جانتے تھے کہ وہ پاگل ہے تو اسے شادی میں بلایا ہی کیوں تھا؟''

عینی پریشان ہوکر ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ میں نے ایسی شرمناک حرکت نہیں کی ہے۔ میرے خلاف ایسی زبردست سازش کی گئی ہے کہ میں لاکھ قسمیں کھانے کے باوجود جھوٹے الزام سے بچ نہیں پاؤں گا۔

اس کے نتائج سمجھ میں آرہے تھے۔ جاکھے کے خاندان والے میرے جانی دشمن بن سکتے تھے۔ وہاں اسی وقت فساد برپا ہوسکتا تھا۔ خون کی ندیاں بہہ سکتی تھیں۔ وہ پریشان ہوکر سوچ رہی تھی۔ جھوٹے الزام کے باعث مجھے پاگل وارداتیا کہہ کر غصے اور جنون میں مبتلا کیا جائے گا تو میں جواباً انتقامی کارروائی پر اتر آؤں گا تو مجھے خطرناک پاگل قرار دے دیا جائے گا۔

وہاں عورتوں کے دو گروہ بن گئے تھے۔ میری امی کی طرف داری کرنے والیاں مجھے بے قصور کہہ رہی تھیں۔ جبکہ مخالفت کرنے والے مردوں اور عورتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ اس ضد پر اڑے ہوئے تھے کہ جو انگوٹھی میری جیب سے برآمد ہوئی ہے، وہ دلہن کی ہے۔ مجھ جیسا ہوس ناک پاگل ہی اس کے کمرے میں آیا تھا۔

عینی کا دل ڈوب رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا، مجھے ڈوبنے سے کیسے بچائے گی؟ اس پر بری طرح گھبراہٹ طاری ہوگئی۔ وہ وہاں سے اٹھ کر کمرے سے باہر آئی پھر حشمت کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

وہ کھڑکی کے پاس کھڑا کمرے کے اندر ہونے والی

باتیں سن رہا تھا۔ وہ حیرانی سے بولی۔ ''بھائی حشمت! آپ ادھر کیوں کھڑے ہیں؟ اندر کیوں نہیں جاتے؟''

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ ''بس یونہی۔ اندر بہت بھیڑ ہے۔ گرمی بھی ہے۔ تم کہاں جارہی ہو؟''

''بلال کو یہاں ہونا چاہیے۔ اسے بلانے جارہی ہوں۔ آپ جانتے ہیں، وہ کہاں ہیں؟''

''وہ سیڑھیوں کے اوپر ہے۔ ادھر بہت ہنگامہ ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بندوق آگئی ہے۔ اس نے باسو کو نشانے پر رکھا ہوا ہے۔''

یہ سنتے ہی وہ دوڑتی ہوئی مکان کے مختلف حصوں سے گزرتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچی تو میں وہاں باسو پہلوان کو نشانے پر لیے بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے پوچھا۔ ''یہ کیا کررہے ہو؟ اسے گولی نہ مارنا۔ ایک تو تمہیں گناہ گار کہا جارہا ہے اوپر سے قاتل بھی کہلاؤ گے۔''

میں نے اسے بتایا کہ کس طرح مجھے بندوق کے زور پر بے بس اور مجبور بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اب میں نے اپنی سلامتی کے لیے باسو کو یرغمال بنا کر رکھا ہے۔ کوئی مجھ پر گولی چلانے آئے گا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

اس نے باسو کو دیکھا پھر کہا۔ ''ذرا ادھر چلو میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

میں خود اس سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا تھا۔ باسو کو ایک کمرے میں دھکا دے کر دروازہ بند کردیا۔ باہر سے کنڈی لگادی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ایسے موقع سے کس طرح فائدہ اٹھائے گا؟

میں عینی کے ساتھ وہاں سے دوسرے کمرے میں آیا۔ وہ بولی۔ ''سب ہی تمہاری مخالفت میں بول رہے ہیں۔ تم غصے اور جنون میں مبتلا ہوکر ایسی ہی حرکتیں کروگے جیسی باسو کو نشانے پر رکھ کر کررہے ہو۔ کوئی تمہاری مجبوری نہیں سمجھے گا۔ سب ہی تمہیں خطرناک قاتل کہیں گے۔ تم کتنے لوگوں سے مقابلہ کرسکوگے؟ وہ تمہیں گولی ماردیں گے۔ ان کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ تمہارے گناہ اور پاگل پن کا ثبوت پیش کریں گے۔ یہ بندوق پھینک دو۔ میں جو کہتی ہوں، وہ کرو۔''

میں نے پوچھا۔ ''تم کیا کہنا چاہتی ہو؟''

وہ جو سوچ کر آئی تھی، وہی سمجھانے لگی۔ میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''نہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے۔ تم جو چاہتی ہو۔۔۔''

میری بات ادھوری رہ گئی۔ باسو کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ ''بچاؤ۔ بچاؤ۔ بچاؤ یہ پاگل کا بچہ مجھے مار ڈالے گا۔ دوڑو۔۔۔ بچاؤ۔۔۔ مجھے بچاؤ۔۔۔''

ہم تیزی سے چلتے ہوئے دروازے کے پاس آئے۔ میں نے ڈانٹ کر کہا۔ ''چپ ہوجا ورنہ سچ مچ مار ڈالوں گا۔''

اس نے کہا۔ ''ابے جا پاگل کی اولاد! تیرا باپ بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔''

میں نے کمرے کی کنڈی گرا کر اسے کھولنا چاہا تو وہ اندر سے بند تھا۔ وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''یہ دروازہ بہت مضبوط ہے۔ جب تک اسے توڑے گا تب تک میری مدد کرنے والے آجائیں گے۔ ماں کا دودھ پیا ہے تو مجھے گولی مارنے آ۔ سالے! تیری ماں نے تجھے دودھ نہیں۔۔۔''

وہ گندی باتیں کرنے لگا۔ میں جوش میں آکر دروازے کو لاتیں مارنے لگا۔ دھکے مار کر اسے توڑنے کی کوششیں کرنے لگا۔ اس نے مدد حاصل کرنے کے لیے پہلے کی طرح چیختا چلانا شروع کردیا۔

عینی دروازے کے سامنے آگئی۔ مجھے روکتے ہوئے بولی۔ ''طیش میں نہ آؤ۔ اس کی چالاکی کو سمجھو۔ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے، ابھی تم دروازہ توڑ کر اسے گولی مارنا چاہتے ہو۔ میری بات مانو۔ میرے ساتھ چلو۔''

وہ میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگی۔ اس کی بات سمجھ میں آرہی تھی۔ میں نے آگے بڑھتے ہوئے اس کے ساتھ سیڑھیاں اترتے ہوئے کہا۔ ''عینی! میرے لیے اتنی بڑی قربانی نہ دو۔ تم بدنام ہوجاؤ گی۔''

وہ میرے ساتھ تیزی سے چلتے ہوئے بولی۔ ''تمہارے نام سے بدنامی ہوگی تو ہونے دو۔ میرے لیے تو نیک نامی ہوگی۔ مگر میں تمہیں جھوٹے الزام سے ضرور بچاؤں گی۔''

باسو کی چیخ سن کر کتنے ہی لوگ دوڑتے ہوئے آرہے تھے۔ پھر میرے ہاتھوں میں ایک نہیں دو بندوقیں دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ میں نہتا ہوتا تو وہ مجھے مار ہی ڈالتے۔ میں نے کہا۔ ''باسو خیریت سے ہے۔ مجھے جھلا ثابت کرنے کے لیے خواہ مخواہ شور مچا رہا ہے۔ جاؤ خود جاکر دیکھ لو۔''

وہ سب ادھر دوڑتے ہوئے گئے۔ میں عینی کے ساتھ دلہن کے کمرے میں آگیا۔ وہاں پہلے کی طرح عورتوں اور مردوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ وہ سب کچھ نہ کچھ بول رہے تھے۔ میرے ساتھ عینی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا جارہا تھا۔ عورتیں طنزیہ انداز میں بہت کچھ کہہ سکتی تھیں مگر میرے

ہاتھوں میں بندوقیں تھیں۔ ہتھیار بڑے ہی ظالم ہوتے ہیں۔ بڑے بڑوں کی بولتی بند کردیتے ہیں۔

میں نے دلہن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ جو گھونگھٹ میں چھپی بیٹھی ہے۔ اسے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا، نہ اب دیکھ رہا ہوں۔ یہ میرے بھائی جاکھے کی عزت ہے اور میری بہن ہے۔ میں نے کل رات سے آج تک اور اب سے پہلے اس کمرے میں قدم نہیں رکھا۔ یہ سب کچھ میں خدا کو حاضر وناظر جان کر کہہ رہا ہوں۔''

ایک بوڑھی خاتون نے کہا۔ ''خدا رسولؐ کا واسطہ دے گا تو نہ یقین کرتے ہوئے بھی یقین کرنا ہوگا۔''

پھوپھی نے کہا۔ ''پھر بندوقیں بھی لے کر آیا ہے، جو کہے گا، ہم اسے مان لیں گے۔''

چچی نے کہا۔ ''پھر بھی ہم پوچھیں گے کہ دلہن کی انگوٹھی تیرے پاس کیسے پہنچ گئی؟''

میں نے ہچکچاتے ہوئے عینی کو دیکھا۔ وہ بولی۔ ''انگوٹھی دلہن کی نہیں ہے، میری ہے۔''

اس انکشاف پر سب ہی نے چونک کر عینی کو دیکھا۔ پھوپھی نے پوچھا۔ ''یہ تمہاری کیسے ہوگئی؟''

اس نے پوچھا۔ ''آپ کی انگلی میں جو انگوٹھی ہے، وہ آپ کی کیسے ہوسکتی ہے؟''

''اس لیے ہوسکتی ہے کہ اسے میں نے پہن رکھا ہے۔''

اس نے کہا۔ ''میں بھی کل رات اسے پہننے والی تھی۔ بلال مجھے انگوٹھی پہنانا چاہتا تھا۔''

عینی کا باپ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ ''یہ کیا بکواس کررہی ہے؟ بےغیرت! تو ہوش میں تو ہے؟''

اس نے کہا۔ ''ابو! میں جو کہہ رہی ہوں اس سے صرف میری ہی نہیں، آپ کی اور پورے خاندان کی بدنامی ہوسکتی ہے۔ مگر میں سچ کہہ رہی ہوں۔ اسے میں نے پہنا نہیں تھا۔ یہ کہہ کر واپس کردیا تھا کہ اسے پہن کر بدنام ہوجاؤں گی۔ بلال نے اسے واپس اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔''

شکوریا نے کہا۔ ''تم جھوٹ بول رہی ہو۔ یہ انگوٹھی اس کی جیب سے نکلی، تب اس نے یہ بات کیوں نہیں کہی؟''

''اس لیے کہ یہ مجھے بدنام نہیں کرنا چاہتے تھے۔ صرف جھوٹے الزام سے انکار کررہے تھے۔''

چچی نے پوچھا۔ ''اب تمہیں بدنام کرنے کیوں آیا ہے؟''

''یہ خود نہیں آئے۔ میں انہیں زبردستی لائی ہوں۔ جب یہ مجھے بدنامی سے بچا رہے ہیں۔ خود پر جھوٹا الزام برداشت کررہے ہیں تو کیا میں انہیں بدنامی سے بچانے کے لیے سب کے سامنے سچ نہیں بول سکتی؟''

پھوپھی نے کہا۔ ''واہ کیا لیلیٰ مجنوں والی محبت ہے؟ مجنوں کے عشق میں لیلیٰ بدنامی کے پتھر کھانے آئی ہے۔''

''جو ایمان والے ہوتے ہیں، وہ سچ کی خاطر سولی پر چڑھ جاتے ہیں۔ مجھے تو صرف پتھر مارے جائیں گے کوئی بات نہیں مگر آپ لوگوں کی سازش اور مکاری یہاں نہیں چلے گی۔''

جاکھے اور اس کے خاندان والے یہ باتیں سن رہے تھے اور آپس میں مشورہ ...کررہے تھے۔ پھر جاکھے نے کہا۔ ''کوئی لڑکی خواہ مخواہ بدنامی نہیں چاہتی۔ عینی کی بات دل کو لگ رہی ہے۔ اس نے جو انگوٹھی واپس کی تھی، وہی انگوٹھی بلال کی جیب سے نکلی ہے۔''

حشمت پھر کھڑکی کے پاس آگیا تھا۔ عینی کو گھور کر دیکھ رہا تھا۔ وہ تینوں بھی اس پانسا پلٹنے والی کو ایسے دیکھ رہے تھے جیسے ابھی کچا چبا جائیں گے۔

جاکھے کے باپ نے کہا۔ ''باسو کی یہ بات بھی درست ہے کہ اس نے بلال کے پاس وہ انگوٹھی دیکھی تھی۔ اس نے یہی سمجھا کہ وہ دلہن کے کمرے سے لائی گئی ہے۔ ہم غلط فہمی کی بنا پر بلال کو خواہ مخواہ پاگل اور گناہ گار کہہ رہے ہیں۔ میں پورے یقین سے کہتا ہوں، اس نے ایسی کوئی شرمناک حرکت نہیں کی ہے۔''

یہ سنتے ہی میں نے آگے بڑھ کر دونوں بندوقیں جاکھے کے باپ کے قدموں میں رکھ دیں۔ کچھ لوگ باسو کو وہاں لے آئے تھے۔ اس نے کہا۔ ''جاکھے! تو نے پہلی رات بھی نہیں گزاری اور یہاں اندھیر ہوگیا۔ کیا تو اس کی گردن نہیں پکڑے گا، جس نے تیری عزت مٹی میں ملا دی؟ یہ ڈاکو تیری غیرت کو نہیں للکار رہا ہے؟''

جاکھے نے کہا۔ ''معلوم تو ہو کہ وہ کون ہے؟ کہاں چھپا ہوا ہے؟''

''عقل سے سمجھو گے تو سمجھ میں آئے گا۔ چور چوری کے مال کے ساتھ پکڑا گیا تھا مگر عینی نے بڑی چالاکی سے اپنے یار کو بچالیا ہے۔''

عینی کے باپ نے گرج کر کہا۔ ''بکواس مت کر۔ یار ہوں گے تیری بہن کے۔۔۔ میری بیٹی نے سب کے سامنے کہا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس نے بلال کی انگوٹھی قبول نہیں کی تھی۔ واپس کردی تھی اور یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔''

جاکھے نے کہا۔ ''باسو! تمہاری بلال سے دشمنی چلی آرہی ہے۔ یہاں جو بھی دشمن ہیں، میں ان سب سے ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں، میرے گھر کو میدانِ جنگ نہ بناؤ۔''

میں نے کہا۔ ''جاکھے! تو میرا بھائی بھی ہے اور دوست بھی ہے۔ میں سب کے سامنے اپنی ماں کی قسم کھا کر کہتا ہوں، جس نے پہلی رات تیرا گھر برباد کیا ہے اور مجھے جھوٹے الزام میں پھانسنے کی ناکام کوشش کی ہے، میں اسے جوتے مارتا ہوا تیرے سامنے لاؤں گا۔ اس کی موت میرے ہاتھوں ... ہوگی۔''

ان تینوں نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ حشمت باہر کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ میں ضدی اور سر پھرا ہوں۔ یقیناً سازش کرنے والوں کو اور دلہن کے کمرے میں واردات کرنے والوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

میری امی نے مجھ سے کہا۔ ''خدا کا شکر ہے تم پر لگا ہوا الزام جھوٹا ثابت ہوگیا۔ دشمنوں کا منہ کالا ہوگیا۔ ہم کالے منہ والوں کو بےنقاب کرکے ہی رہیں گے۔ اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔''

میں نے کہا۔ ''نہیں امی! جب تک جاکھا نہیں کہے گا۔ ہم نہیں جائیں گے۔ جنہیں میدان چھوڑنا ہے، وہ جائیں۔''

شکوریا، کاچھی، باسو پھوپھی اور دونوں چچیوں کی حالت قابلِ دید تھی۔ حشمت بھی پریشان تھا۔ وہ اپنے شیطانی مقاصد میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ اندر ہی اندر تلملا رہے تھے۔ یہ خوف بھی سمایا ہوا تھا کہ میری طرف سے زبردست انتقامی کارروائی ہوگی۔ میں خاموش نہیں رہوں گا۔ اب تو پنجے جھاڑ کر ان کے پیچھے پڑ جاؤں گا۔

☆☆☆

صبح کے پانچ بجنے والے تھے۔ شادی اور خانہ بربادی ایسی ہوئی تھی کہ سب ہی جاگ کر رات گزار رہے تھے۔ شدید سردی کے موسم میں کسی کا گھر جل رہا ہو تو اس کی تباہی پر افسوس کرنے کے ساتھ ساتھ آگ تاپنے کا بھی مزہ آتا رہتا ہے۔

رت جگے کی ایک اہم وجہ یہی تھی کہ کتنی ہی عورتوں اور مردوں کو مزہ آرہا تھا۔ یہ تجسس باقی تھا کہ دلہن کے ساتھ جو زیادتی ہوچکی ہے، اس کا انجام کیا ہوگا؟

کیا زیادتی کرنے والا پکڑا جائے گا؟ اسے پکڑنے کے لیے کیا کیا جارہا ہے؟

دلہن کورے کاغذ کی طرح آئی تھی، وہ کاغذ میلا ہوچکا تھا۔ کیا دولہا اسے قبول کرے گا؟

اگر قبول نہیں کرے گا تو وہ گھر کی رہے گی، نہ گھاٹ کی کدھر جائے گی؟ اس کے ساتھ انصاف کیسے ہوگا؟

سب ہی کے ذہنوں میں ایسے بہت سے سوالات کلبلا رہے تھے۔ ساری رات جاگنے کے باوجود نیند اس لیے نہیں آرہی تھی کہ ابھی بہت کچھ ہونے والا تھا۔ کیونکہ دلہن کے میکے والے آپہنچے تھے اور بیچاری دلہن اپنی ماں اور بہنوں سے لپٹ لپٹ کر رو رہی تھی۔

اس کا باپ، تین جوان بھائی اور کئی رشتے دار بندوقیں اور گنڈاسے لے کر آئے تھے۔ بڑکیں لگا رہے تھے۔ گرجتے ہوئے مطالبہ کررہے تھے کہ مجرم گناہ گار جو بھی ہے، اسے ان کے حوالے کیا جائے۔ وہ اسے اور اس کے گھر والوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ان کے گھروں کو آگ لگا دیں گے۔ وہ للکارنے کے طور پر رہ رہ کر ہوائی فائر کررہے تھے۔

مسلسل فائرنگ کے باعث پورے چک میں دہشت پھیل گئی تھی۔ تھانے دار سپاہیوں کے ساتھ آگیا تھا۔ اصل مجرم تک پہنچنے کے لیے لوگوں سے طرح طرح کے سوالات کیے جارہے تھے۔ تھانے دار کی ان تینوں سے خوب بنتی تھی۔ اکثر معاملات میں اور خاص طور پر میرے کسی بھی معاملے میں وہ اس پولیس والے کی مٹھی گرم رکھتے تھے۔

تھانے دار جواد اکبر نے ان تینوں سے کہا۔ ''میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ بلال کو ہوس پرست ثابت کرنے کے لیے جیسی چالیں چلی گئی ہیں اور جس طرح انگوٹھی اس کی جیب میں ڈالی گئی ہے، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تم تینوں کی کارستانی ہے۔''

وہ سب کان پکڑ کر توبہ کرنے لگے۔ ایک نے کہا۔ ''توبہ توبہ۔ ہماری دشمنی اس سے ہے، جاکھے اور اس کی دلہن سے نہیں ہے۔ ہم نے ان کا گھر برباد نہیں کیا ہے۔ اپنی ماں کی قسم کھا کر کہتے ہیں۔''

جواد نے کہا۔ ''ماؤں کی قسم نہ کھاؤ۔ وہ بھی تمہاری سازشوں میں شریک رہتی ہیں۔ جو سچ ہے وہ اگل دو۔ لڑکی والے غصے سے پاگل ہورہے ہیں۔ تم لوگوں کی حرکت سے یہ دوسری بار اس علاقے میں فائرنگ ہورہی ہے۔ مجھے اپنا رازدار بناؤ اور کچھ نہ چھپاؤ۔ بات بگڑنے نہیں دوں گا۔ کمک مکا کرادوں گا۔''

وہ کچے کھلاڑی نہیں تھے۔ ایک تھانے دار کو رازدار بنا

کر اس کے تھلے لگنا نہیں چاہتے تھے۔ شکوریا نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔ ''ہم ایک بار نہیں بار بار کان پکڑ کر کہیں گے کہ ہم میں سے کسی نے جاکھے کے گھر نہ گناہ کیا ہے، نہ کرایا ہے۔''

باسو نے کہا۔ ''آپ یہ مان لیں کہ گناہ گار اس انگوٹھی کے ساتھ پکڑا گیا تھا مگر عینی نے بڑی چالاکی سے اسے بچالیا ہے۔ آپ اس لڑکی کو دھمکی دیں گے، کسی طرح سچ اگلوائیں گے تو یہ ثابت ہو جائے گا کہ بلال پاگل ہے۔''

جواد اکبر نے کہا۔ ''میں اپنے علاقے کے ایک ایک بندے کو پہچانتا ہوں۔ ادھر کوئی شخص عورتوں کے معاملے میں جنونی اور ہوس پرست نہیں ہے۔ اس دلہن کے ساتھ سوچی سمجھی واردات کی گئی ہے۔ مجھ سے بات چھپاؤ، کوئی بات نہیں مگر میں نے ثبوت اور گواہوں کے ساتھ پکڑ لیا تو سمجھو، آنکھیں پھیر لوں گا، تم لوگوں کے کسی کام نہیں آؤں گا۔ ایک طرف تمہیں قانون کے کوڑے پڑیں گے اور دوسری طرف لڑکی والے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

پھوپھی نے کہا۔ ''آپ ہمارے لڑکوں کو خواہ مخواہ ڈرا رہے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں، انہوں نے جاکھے کی خانہ بربادی نہیں کی ہے۔ آپ بلال کے خلاف کارروائی کریں گے تو وہی گناہ گار ثابت ہوگا۔''

پھوپھی میرے خلاف بول رہی تھیں۔ جبکہ مجھ سے جاری رکھی جانے والی دیرینہ دشمنی کے سبب یہ صاف سمجھ میں آرہا تھا کہ ان تینوں نے مجھے پاگل اور ہوس ناک مجرم ثابت کرنے کے لیے جاکھے کا گھر برباد کیا ہے۔ تھانے دار کو پورا یقین تھا۔ اس نے تینوں سے سچ اگلوانے کی بہت کوششیں کیں پھر ناراض ہو کر وہاں سے چلا گیا۔

انہیں یقین تھا کہ بھید نہیں کھلے گا مگر میرے چچا یعنی کاچھی کے باپ نے کہا۔ ''پولیس والوں سے نہ دوستی اچھی نہ ہی ان کی دشمنی اچھی۔۔۔۔ تھانے دار مٹھی گرم کرنے آیا تھا، خالی ہاتھ گیا ہے۔ وہ بڑا کائیاں ہے۔ اسے پورا یقین ہے کہ تم لوگوں نے ہی جاکھے کے گھر واردات کی ہے مگر تم بُرے وقت پر کام آنے والے تھانے دار کو اپنا راز دار نہیں بنا رہے ہو۔''

[illegible] چچی نے کہا۔ ''وہ ہمارا بھیدی بنتے ہی پہلے تو تگڑی رقم وصول کرے گا پھر ہر مہینے آکر پانچ دس ہزار مانگتا رہے گا۔''

شکوریا نے کہا۔ ''ہم نے اپنے خلاف کوئی ثبوت، کوئی کمزوری نہیں چھوڑی ہے۔ وہ خالی ہاتھ گیا ہے۔ ناراض ہو گیا ہے تو ہوتا رہے۔''

میرے پھوپھا یعنی باسو کے باپ نے کہا۔ ''میں تھانے دار جواد کی فطرت کو برسوں سے سمجھتا ہوں۔ وہ بہت کمینہ ہے۔ ہمیں پھانسنے کے لیے کسی طرح کی ہیرا پھیری کرے گا تو ہم مشکل میں پڑ جائیں گے۔ اس شیطان سے پیچھا چھڑانا ناممکن ہو جائے گا۔''

پھوپھی نے کہا۔ ''جب ہمارے بچوں نے کچھ کیا ہی نہیں تو وہ ہمارے خلاف کیا کرلے گا؟''

''یہ مت بھولو کہ حشمت ہمارا راز دار ہے۔ ہمارے بہت کام آرہا ہے۔ تھانے دار اسے تاڑ لے گا، اسے کسی طرح پھانس لے گا تو پھر کیا ہوگا؟''

کاچھی نے کہا۔ ''حشمت نادان بچہ نہیں ہے، بہت چالاک ہے۔ تھانے دار کے چکر میں نہیں آئے گا۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ بزدل ہے۔ اپنے سالے سے ڈرتا ہے اور اچھا ہے کہ ڈرتا ہے۔ کبھی کسی کے دباؤ میں آکر سچ بولنے کی جرأت نہیں کرے گا۔''

چچا نے کہا۔ ''ہم سب کی بہتری اسی میں ہے کہ راز کبھی نہ کھلے۔ لیکن اتنی محنت کرنے کے باوجود ہمیں حاصل کیا ہو رہا ہے؟''

چاچی نے سرد آہ بھر کر کہا۔ ''کچھ نہیں۔۔۔ بلال کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ منتو بھابھی نے سب کے سامنے کہا ہے کہ وہ اصل مجرموں کو بے نقاب کرکے رہیں گی۔''

''انہوں نے ہمارا نام نہیں لیا ہے۔''

''نام نہ لینے سے کیا ہوتا ہے؟ یہاں سب ہی سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے ہی بلال کے خلاف سازش کی ہے۔''

''ہاں۔ بلال اور منتو بھابھی کے رویے سے تھانے دار اور دلہن کے میکے والے ہمارے خلاف سوچ رہے ہیں۔ ہمیں بہت ہوشیار رہنا ہوگا۔''

''وہ تو ہم رہیں گے مگر ہمیں حاصل کیا ہو رہا ہے؟ ہم بلال کو پاگل، جنونی اور گناہ گار ثابت نہ کرسکے۔ اب بھی موقع ہے، ہم اپنی ناکامی کو کامیابی میں بدل سکتے ہیں۔''

پھوپھی نے کہا۔ ''یہی بات میرے دماغ میں پک رہی ہے۔ یہاں سب ہی اس چور اور گناہ گار کو تلاش کر رہے ہیں۔ اگر ہم یہ ثابت کردیں کہ وہ انگوٹھی عینی کی نہیں تھی۔ اس نے اپنے یار کو بچانے کے لیے جھوٹ کہا ہے اور کسی طرح اس کا جھوٹ کھل جائے تو بلال کو صرف جوتے ہی نہیں پڑیں گے، بلکہ مار مار کر اس کا قیمہ بنا دیا جائے گا۔''

چچی نے کہا۔ ''دلہن کے ساتھ جو کھیل ہوا، وہ عینی کے ساتھ ہوتا، اس کی عزت کی دھجیاں اڑائی جاتیں اور الزام بلال پر آتا تو ہم ہر حال میں کامیاب رہتے۔''

پھوپھی نے تائید کی۔ ''ہاں۔ تب بلال قانونی گرفت میں آتا۔ جیل یا پاگل خانے ضرور جاتا اور عینی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی۔''

پھوپھا نے کہا۔ ''ہم نے دور تک نہیں سوچا۔ ہمارے دماغوں میں ایک ہی بات سمائی ہوئی تھی کہ کسی بھی طرح بلال کو ذلیل کیا جائے۔ ہمیں جلد بازی میں جو سجھائی دیا، وہی کر گزرے۔''

چچی نے کہا۔ ''میں کہتی ہوں، اب بھی موقع ہے۔ دلہن کے میکے والوں سے ملو۔ اسپتال اور ڈاکٹروں کا حوالہ دے کر انہیں یقین دلاؤ کہ وہ پاگل اور جنونی ہے۔ اسی نے دلہن کی عزت خاک میں ملائی ہے۔''

شکوریا نے کہا۔ ''عینی نے ہماری کوششوں کو ناکام بنایا ہے، ہم اسے نہیں چھوڑیں گے۔ پھوپھی ٹھیک کہتی ہیں۔ اس لڑکی کو منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑا جائے۔''

باسو نے کہا۔ ''عینی برباد ہوگی تو وہ پاگل کا بچہ غصے سے اور پاگل ہو جائے گا۔ پتا نہیں، وہ میرا ہی دشمن کیوں ہے؟ کئی بار مجھے لہولہان کرچکا ہے۔ کاچھی اور شکوریا سے کبھی نہیں لڑتا۔''

پھوپھی نے بیٹے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''فکر نہ کر۔ وہ کتے کی موت مرے گا۔ اب ایک ہی تدبیر سوچو کہ عینی کو کس طرح برباد کیا جاسکتا ہے؟''

وہ میرا اور عینی کا پیچھا چھوڑنے والے نہیں تھے۔ میں بھی فیصلہ کرچکا تھا کہ ان کی سازشوں کا منہ توڑ جواب دوں گا۔ میری طرح کتنے ہی لوگوں کا خیال تھا کہ ان تینوں نے مجھ پر شرمناک الزام لگانے کے لیے ایک کنواری دلہن کی عزت کو مٹی میں ملا دیا ہے۔

لوگ ان کے خلاف سوچ رہے تھے مگر زبان سے کچھ بولتے نہیں تھے۔ اگر میں کسی طرح ثبوت کے ساتھ انہیں بے نقاب کردیتا تو انہیں ایسی سزائیں ملتیں کہ وہ بری طرح برباد ہو جاتے، کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ زمین جائداد بیچ کر اس علاقے سے چلے جاتے۔ ان سے ہمیشہ کے لیے پیچھا چھوٹ جاتا۔

میں نے حشمت سے کہا۔ ''ان تینوں سے تمہاری علیک سلیک ہے۔ شادی سے ایک رات پہلے تم ان کے ساتھ تاش کھیل رہے تھے۔''

وہ گھبرا کر بولا۔ ''ہاں۔۔۔ زمین جائداد کے معاملات میں ان سے بول چال رکھنی پڑتی ہے۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو مگر آج کیوں پوچھ رہے ہو؟ کیا انہوں نے میرے بارے میں کوئی بات یہاں پہنچائی ہے؟''

''وہ بھلا کیا بات پہنچائیں گے؟ میں چاہتا ہوں، ان کے اندر سے بات نکالی جائے۔ مجھے بدنام کرنے کے لیے کتنی زبردست سازش کی گئی تھی۔ تم کسی طرح معلوم کرسکتے ہو کہ دلہن کے کمرے میں کون گیا تھا؟''

وہ چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بات سن کر ایسے پہلو بدلنے لگا جیسے وہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہو۔ میں انجانے میں ایک چور سے کہنے آیا تھا کہ وہ چور کو پکڑنے میں میری مدد کرے۔

وہ بولا۔ ''میں کیسے معلوم کرسکتا ہوں؟ اگر ان میں سے کسی نے واردات کی ہوگی تو وہ میرے سامنے کبھی سچ نہیں بولیں گے۔''

''ٹھیک ہے کہ وہ نہیں بولے گا مگر ان سے باتیں کرتے رہو گے تو روانی میں کوئی ایسی بات منہ سے نکل جائے گی جو ہمیں اصل چور تک پہنچا دے گی۔''

وہ اپنے اندر کے آئینے میں اصل چور کو صاف طور پر دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''تم کہتے ہو تو میں ان سے ملوں گا۔ کچھ نہ کچھ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔''

میں سر کھجاتے ہوئے یاد کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ ''میں دلہن کا نام بھول گیا ہوں۔ کیا بھلا سا نام ہے اس کا۔۔۔؟''

اس نے کہا۔ ''روبینہ ہے۔۔۔ پر تم نام کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''مجھے معلوم تھا پر بھول گیا تھا۔ کل سے سب ہی اسے دلہن دلہن کہہ رہے ہیں۔ بیچاری اب دلہن کہاں رہی؟ پتا نہیں کس کتے نے اسے برباد کیا ہے؟ میرے ہتھے چڑھے گا تو اسے تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔''

میں اسے دیکھتے ہوئے غصے سے کہہ رہا تھا۔ وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔

''مجھے دشمن کی طرح غصے سے کیوں دیکھ رہے ہو؟''

''میں تمہیں دشمن کیوں سمجھوں گا؟ جسے غصہ دکھا رہا ہوں اسے ڈرنا چاہیے۔ تم یہ بات اپنے اوپر کیوں لے رہے ہو؟''

وہ فوراً ہی چارپائی سے اترتے ہوئے بولا۔ ''نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ میں مسجد سے نکل کر ان تینوں کے پاس جاؤں گا۔ پر یاد رکھنا، تمہارے کہنے پر ان کے پاس جاؤں

گا۔ ورنہ میری ان سے رشتے داری نہیں ہے۔''

وہ بولتا ہوا وہاں سے جانے لگا۔ میں اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ وہ اکثر اپنے چک میں اور شہر کے تھانہ کچہری میں ان تینوں سے ملتا رہتا تھا۔ اس کے باوجود احسان جتا رہا تھا کہ میرے کہنے سے ان کے پاس جانے والا ہے۔

ایسے وقت پہلی بار میرے ذہن میں حشمت کے خلاف کوئی بات کھٹکنے لگی۔ میں اس کے خلاف بول رہا تھا جس نے روبینہ سے زیادتی کی تھی۔ ایسے وقت بے خیالی میں حشمت کو غصے سے دیکھ رہا تھا اور وہ گھبرا کر چارپائی پر پہلو بدل رہا تھا۔ اس کے جانے کے بعد مجھے اس کی گھبراہٹ یاد آنے لگی۔

یہ سوال کھٹکنے لگا کہ وہ کیوں گھبرا رہا تھا؟ نماز کا بہانہ کرکے اٹھ گیا تھا۔ جبکہ اذان نہیں ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد چھانو صحن میں آئی وہاں سے حقہ اٹھا کر لے جانے لگی۔

میں نے پوچھا۔ ''بھائی حشمت کہاں ہیں؟''

وہ بولی۔ ''ابھی تو آپ کے پاس سے گئے ہیں۔ کمرے میں پڑے ہیں۔ حقے کی طلب ہو رہی ہے۔''

''وہ تو مسجد جا رہے تھے؟''

وہ بولی۔ ''یہاں شادی میں آکر تو جیسے نماز پڑھنا بھول گئے ہیں۔ میں نے پوچھا فجر کی نماز کیوں نہیں پڑھی؟ تو پہلے کہا ناپاک ہیں، پھر کہا، طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ پتا نہیں کیوں، کچھ پریشان سے ہیں؟''

وہ حقہ اٹھا کر چلی گئی۔ یہ بات میرے دماغ میں پتھر کی طرح لگی کہ وہ صبح ناپاک تھا۔ چور خواہ کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو کسی نہ کسی غلطی یا کوتاہی کے باعث پکڑا جاتا ہے۔ حشمت نے فجر کی نماز نہ پڑھ کر میرے دماغ میں شبہے کی لکیر کھینچ دی۔

میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ وہ جس کمرے میں جا کر لیٹا تھا۔ اس کے دروازے پر آیا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور جلدی سے بولا۔ ''ابھی اذان نہیں ہوئی ہے۔ ذرا کمر سیدھی کر رہا ہوں۔''

میں نے اس کے پاس چارپائی کے سرے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''تم تو پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتے ہو؟''

''یہ تم برسوں سے دیکھتے آئے ہو پھر کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''یونہی پوچھ رہا ہوں۔ کبھی نماز چھوٹ جاتی ہوگی؟''

''میری کوشش ہوتی ہے کہ ایک نماز بھی نہ چھوٹے۔''

''لیکن آج فجر کی نماز تو نہ پڑھ سکے۔''

اس نے ایک دم سے گھبرا کر مجھے دیکھا۔ پھر دوسرے ہی لمحے گرجتے ہوئے چارپائی سے اتر گیا۔ ''کیا تم انکوائری افسر لگے ہو؟ وہاں صحن میں بھی ایسی باتیں کر رہے تھے، جیسی وہ تھانے دار جوادا کبر کرتا ہے۔''

''تھانے دار کسی سے دین ایمان کی بات نہیں کرتا۔ میں تم سے نماز کے سلسلے میں بات کر رہا ہوں۔ صرف فجر کی نماز نہ پڑھنے کی بات آئی تو تم ایسے اچھل رہے ہو جیسے کوئی چوری پکڑی گئی ہو؟''

''بکواس نہ کرو۔ نہ میں نے کہیں چوری کی ہے نہ کوئی گناہ کیا ہے۔''

میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''پھر بھی ناپاک ہوگئے اور نماز نہ پڑھ سکے؟''

وہ چیخ کر بولا۔ ''نماز نہ پڑھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں ناپاک تھا اور کہیں سے منہ کالا کرکے آیا تھا۔''

میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔ ''پھر کہاں سے آئے تھے؟''

اسے ایک دم چپ لگ گئی۔ جیسے میں نے اچانک ہی اسے پکڑ لیا ہو۔ چھانو نے آکر پوچھا۔ ''یہ کس بات پر جھگڑا ہو رہا ہے؟''

وہ چھانو کے سامنے غصے سے ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولا۔ ''اپنے بھائی سے پوچھ۔۔۔ یہ مجھ پر تھوک رہا ہے۔ کہہ رہا ہے کہ میں نے روبینہ کی عزت لوٹی ہے۔''

''کیا۔۔۔؟'' چھانو نے حیرانی اور بے یقینی سے مجھے دیکھا۔

میں نے کہا۔ ''چور کی داڑھی میں تنکا۔۔۔ میں نے روبینہ کا نام نہیں لیا۔ یہ بھی نہیں کہا کہ تم کہیں منہ کالا کرنے گئے تھے۔ ناپاکی کی اور بھی کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔ تم خود ہی اپنی زبان سے ناپاکی کی وجہ روبینہ کو بتا رہے ہو۔''

حشمت کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ میں نے واقعی اسے صرف ناپاک کہا تھا۔ روبینہ کے ساتھ بدنام نہیں کیا تھا۔

چھانو نے پوچھا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے؟ آپ میرے بھائی سے کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ منہ کالا کرنے والی بات کیا ہے؟ آپ کا نام روبینہ کے ساتھ کیوں آرہا ہے؟''

''میرے ساتھ کیوں اس کا نام آئے گا؟ یہ تیرا بھائی مجھے بدنام کر رہا ہے۔''

میں اسے گھور کر دیکھ رہا تھا۔ وہ نظریں چرانے کے

لیے چھانو کی طرف منہ کیے کھڑا تھا۔ وہ بولی۔ ''میرا بھائی روبینہ کا نام نہیں لے رہا ہے۔ آپ ہی اس کی بات کر رہے ہیں۔''

''مگر یہ بات ہی کچھ ایسی کر رہا ہے کہ خیال ادھر ہی جاتا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''جس نے چوری نہ کی ہو۔ اس کا خیال چوری کی طرف کبھی نہیں جائے گا۔''

اس نے میری طرف انگلی اٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو دیکھو! یہ مجھے چور کہہ رہا ہے۔''

میری امی نے آکر کہا۔ ''یہ کیا بحث ہو رہی ہے؟ روبینہ کا نام باہر تک سنائی دے رہا ہے۔ یہ ہمارا گھر نہیں ہے جو چیخ چیخ کر باتیں کر رہے ہو۔''

انہوں نے حشمت سے کہا۔ ''تمہارے چیخ چیخ کر بولنے کی آوازیں آرہی ہیں۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟ کس بات پر اتنا چیخ رہے ہو؟''

وہ کیا جواب دیتا؟ الجھ کر رہ گیا۔ پاؤں پٹخ کر بولا۔ ''میرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ تم سب مجھے معاف کردو۔ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ وہ سنو اذان ہو رہی ہے۔ نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔''

میں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''رک جاؤ۔۔۔ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ میرے اندر ایک پھانس اٹکی ہوئی ہے۔ اسے تم مسجد میں نکالو گے۔''

وہ پیچھے ہٹ کر بولا۔ ''کیسی پھانس۔۔۔؟ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''میں مسجد میں جو پوچھوں گا تم اس کا صحیح جواب دو گے۔''

''کیا تم مجھے چور سمجھ کر اقبالِ جرم کرانے کے لیے میرے ساتھ چل رہے ہو؟''

''جب کچھ کیا نہیں ہے تو بحث نہ کرو، چپ چاپ چلو۔''

اس نے بے بسی سے مجھے دیکھا۔ میرے ساتھ مسجد میں چلنے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ میں خدا کے گھر میں بیٹھ کر اس سے کیا کہنے والا ہوں؟ جب مصیبت سر پر آتی ہے تو اس سے نمٹنے کا حوصلہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ بڑے حوصلے سے میرے ساتھ مسجد میں آگیا۔

وہاں ہم نے مغرب کی نماز ادا کی۔ جب نمازی وہاں سے جانے لگے تو میں نے کہا۔ ''قبلہ رخ بیٹھے رہو۔ خدا دیکھ رہا ہے۔ ہماری باتیں سن رہا ہے۔ اپنے معبود کے سامنے سچ بولو۔ تم نے روبینہ سے زیادتی کی ہے؟''

اس نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔ ''خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں۔ روبینہ کو میں نے ہاتھ تک نہیں لگایا ہے۔ ایک انگلی سے بھی نہیں چھوا ہے۔''

میں نے کہا۔ ''تم اسے ابھی اپنی بہن کہو۔''

وہ ذرا ہچکچایا پھر بولا۔ ''نہیں۔۔۔ میں اسے بہن نہیں کہوں گا۔''

میں نے کہا۔ ''جو سچ ہے وہی بولو۔ اسے بہن کیوں نہیں کہو گے؟''

وہ ذرا دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا پھر بولا۔ ''خدا کے گھر میں پوچھ رہے ہو۔ سچ سننے سے پہلے وعدہ کرو کہ جو کہوں گا، وہ بات اپنی بہن چھانو سے نہیں کہو گے۔ ورنہ اسے تکلیف پہنچے گی۔ مجھ سے جھگڑا کرے گی۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں، ہماری باتیں اس مسجد سے باہر نہیں جائیں گی مگر گناہ گار ہو تو سزا ضرور ملے گی۔''

''میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ یہ بھی کہہ رہا ہوں کہ اسے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔''

''تو پھر اسے بہن کیوں نہیں کہتے؟''

''وہ۔۔۔ وہ پہلے میری معشوق تھی۔''

میں نے اسے چونک کر دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''ان دنوں تمہاری بہن سے میری شادی نہیں ہوئی تھی۔ شادی کے بعد میں گھر داماد بن کر وہاں سے تمہارے گھر آگیا۔''

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ ''اب مجھے افسوس ہو رہا ہے۔''

''کس بات کا افسوس۔۔۔؟''

''وہ پارسا تھی۔ اس نے کبھی اپنا ہاتھ پکڑنے نہیں دیا۔ کیا یہ افسوس اور دکھ کی بات نہیں ہے کہ سہاگ رات منانے سے پہلے اس کی پارسائی کو خاک میں ملا دیا گیا؟''

میں نے کہا۔ ''ہاں۔ یہ بہت دکھ کی اور بہت افسوس کی بات ہے۔ کیا تمہیں کسی پر شبہ ہے؟''

''جب تم مجھ پر شبہ کر رہے تھے تو مجھے غصہ آرہا تھا۔ یہ سوچ کر تکلیف ہو رہی تھی کہ اصل مجرم پکڑے نہیں جاتے خواہ مخواہ ہم جیسوں پر شبہ کیا جاتا ہے۔''

''ایسی کوئی بات ہوتی ہے تو سب پر ہی شک کیا جاتا ہے۔ تم روبینہ کے لیے دکھی ہو۔ یہ کوئی نہیں جانتا مگر یوں غصہ دکھاؤ گے تو سب ہی تم پر شبہ کریں گے اور تمہارا محاسبہ کریں گے۔''

وہ سر ہلا کر بولا۔ ''ہاں مجھ سے یہ غلطی ہو جاتی ہے۔

میں روبینہ کے معاملے میں بہت جذباتی ہوں۔ اس ذلیل شخص کو بڑی خاموشی سے ڈھونڈ رہا ہوں۔ جب تک اسے پکڑ کر سزا نہیں دلاؤں گا، تب تک سکون سے نہیں رہ سکوں گا۔"

"سب ہی اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے، ان تینوں میں سے ہی کسی نے واردات کی ہے۔ یا پھر اپنے کسی آدمی سے کرائی ہے۔"

میں نے اس کا بازو تھام کر کہا۔ "اگر کسی سے کرائی ہے تو وہ کون ہوسکتا ہے؟ اس واردات کرنے والے سے ان کے گہرے تعلقات ہوں گے۔"

وہ میری گرفت میں تھا، پریشان ہو کر بولا۔ "میرا بازو تو چھوڑو۔"

میں نے فوراً ہی اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ اپنے بازو کو سہلاتے ہوئے بولا۔ "تمہارا ہاتھ ہے یا ہتھوڑا؟ شکوریا اور کاچھی کہہ رہے تھے کہ اسپتال کے واش روم میں تمہارا ایک ہاتھ پڑتے ہی باسو خون تھوکنے لگا تھا۔ وہ تینوں تم سے ڈرتے بھی ہیں اور دشمنی سے باز بھی نہیں آتے۔"

"ڈرتے ہیں... اسی لیے دشمنی کرتے ہیں۔ میرا خوف طاری رہتا ہے... اسی لیے مجھے ختم کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔"

جاکھے کی شادی میں بے شمار عزیز و اقارب اور دوست احباب آئے ہوئے تھے۔ سب ہی خاندانوں کے لیے مختلف گھروں میں رہائشی انتظامات کیے گئے تھے۔ وہ تینوں ہم سے دور اپنے بزرگوں کے ساتھ ایک مکان میں تھے۔ حشمت ان سے ملنے چلا گیا۔

وہ میرے رویے سے گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے مسجد میں جھوٹ بول کر بڑی کمینگی سے مجھے ٹال دیا تھا۔ مگر اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے جھوٹ بول کر مجھے پوری طرح مطمئن نہیں کیا ہے۔ یقیناً میں چپ چاپ اس کی ٹوہ میں رہوں گا۔ یہ اندیشہ۔۔۔ یہ خوف اس کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں تھا۔

ان تینوں نے بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔ کاچھی نے کہا۔ "میں نے بلال کے ساتھ تمہیں دیکھا تھا، وہ تمہارے ساتھ مسجد جارہا تھا۔"

حشمت نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "وہ نماز پڑھنے نہیں گیا تھا۔ بس دکھاوے کے لیے سجدے کیے تھے۔ دراصل میری گردن دبوچنے وہاں گیا تھا۔"

وہ تینوں چونک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ باسو نے پوچھا۔ "تمہاری گردن دبوچنے۔۔۔؟ وہ بھی مسجد میں۔۔۔؟ لوگوں نے دیکھا ہوگا؟"

"وہ ہاتھوں سے نہیں، باتوں سے دبوچ رہا تھا۔ سچ اگلوانے کے لیے مجھے مسجد میں لے گیا تھا۔"

شکوریا نے پوچھا۔ "کیسا سچ؟ کیا اسے شبہ ہوگیا ہے؟"

حشمت نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "ایسا ویسا شبہ۔۔۔؟ پتا نہیں، وہ کیسی شیطانی کھوپڑی رکھتا ہے؟ یونیورسٹی سے پڑھ کر آیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا، کیسی ہیرا پھیری سے اس نے مجھے بدحواس کر دیا تھا؟ یاد نہیں آرہا ہے کہ اس نے کیسے بات شروع کی تھی مگر بڑی حد تک جیسے چوری پکڑلی تھی۔"

وہ سب پریشان ہو کر اس کا منہ تک رہے تھے۔ کاچھی نے کہا۔ "تم پر شبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے ذریعے ہم تک پہنچے گا؟"

باسو نے حشمت کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تم نے جو انگوٹھی مجھے دی تھی۔ وہ میں نے بلال کی جیب میں ڈال دی تھی۔ بات کھلے گی تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

پھوپھی نے کہا۔ "آگ لگے اس کی جوانی اور پہلوانی کو۔۔۔ میرے بیٹے کو دو بار لہولہان کر چکا ہے۔ مرتا بھی نہیں ہے کم بخت۔۔۔"

چچا نے کہا۔ "پہلے حشمت کی بات تو سنو۔ وہ اسے مسجد میں لے جا کر کیا پوچھ رہا تھا؟"

سب ہی اس کی جانب دیکھنے لگے۔ وہ بولا۔ "اس نے سیدھا اور صاف سوال کیا۔ پوچھا۔۔۔ بولو کیا تم نے روبینہ کے ساتھ زیادتی کی ہے؟"

چچی نے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "ہائے۔۔۔ کیا اسے پکا یقین ہوگیا ہے؟"

"ہوگیا تھا۔ اسی لیے تو مسجد میں لے گیا تھا۔"

"پھر تم نے اس سے کیا کہا؟"

"کہتا کیا؟ اگر سچ بولتا تو کیا وہ مجھے بہنوئی سمجھ کر معاف کر دیتا؟ وہ تو مجھے بندوق کے نشانے پر رکھ کر سب کے سامنے تم لوگوں کا بھی کچا چٹھا اگلوا لیتا۔ آج تو ہم سب کی شامت آنے والی تھی۔"

اچانک ہی ان سب کا سکون برباد ہوگیا۔ وہ پوری بات سننے کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔ ایک نے کہا۔ "جلدی سے اتنا بتا دو کہ تم نے صاف انکار کر دیا ہے ناں۔۔۔؟ وہ تم پر یا ہم پر شبہ نہیں کرے گا ناں؟"

"میں نے ایسی باتیں بنائی ہیں کہ اس کا شبہ دور ہو جانا چاہیے۔ پر اس کے دماغ میں یہ بات پھانس کی طرح چبھی ہوئی ہے کہ ہم چاروں میں سے کسی نے واردات کی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا، میں تم تینوں سے ملتا رہوں۔ کسی طرح معلوم کرنے کی کوشش کروں کہ تم میں سے کس نے روبینہ کو خراب کیا ہے؟"

تینوں ماؤں نے پریشان ہو کر اپنے اپنے بیٹوں کو دیکھا۔ ایک چچی نے حشمت سے کہا۔ "کرنے والے تو تم ہو اور وہ ہمارے بیٹوں پر شبہ کر رہا ہے۔"

حشمت نے کہا۔ "ایسا نہ کہو چاچی! یہ تو ہم سب نے کیا ہے۔"

"ہاں۔ مگر روبینہ کے پاس ہمارا کوئی بیٹا نہیں گیا تھا، تم گئے تھے۔"

"میں سب کے مشورے سے گیا تھا۔ شکوریا نے بلال پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ کاچھی حجلۂ عروسی کے باہر پہرا دے رہا تھا۔ کوئی ادھر آتا، کسی طرح کا خطرہ ہوتا تو یہ سیٹی بجا کر مجھے ہوشیار کر دیتا۔ باسو نے مجھ سے انگوٹھی لے کر بلال کی جیب میں ڈالی تھی۔ یہ واردات ہم سب نے مل کر کی تھی۔"

پھوپھا نے پوچھا۔ "وہ تمہیں نشانے پر رکھے گا تو کیا تم یہ ساری باتیں اس سے کہہ دو گے؟"

"یہی تو میں کہنے آیا ہوں کہ ایسا وقت نہ آنے دو۔ میں مسجد میں بیٹھ کر جھوٹ بولتا رہا۔ خدا کا خوف نہیں تھا مگر بندوق کے آگے گولی چلنے سے ڈر لگتا ہے اور گولی چلانے والا بلال ہو تو وہ ضرور چلے گی۔ سمجھ میں نہیں آتا، اس سالے سے کیسے پیچھا چھڑاؤں؟"

"تم اس کے خلاف کتنی ہی وارداتوں میں ہمارا ساتھ دے چکے ہو۔ پر اب تک اس کی زمینوں کا مالک بننے کا خواب پورا نہیں ہوا۔ جب تک وہ سالا زندہ رہے گا، تب تک نہ تمہارے خواب پورے ہوں گے، نہ ہمارا اس سے پیچھا چھوٹے گا۔"

"مشکل تو یہ ہے کہ ہم اسے قتل نہیں کرسکتے۔ سب ہی جانتے ہیں، ہم اس کے جانی دشمن ہیں۔ وہ کسی حادثے میں مارا جائے گا، تب بھی ہم پر ہی شبہ کیا جائے گا۔"

چچا نے کہا۔ "ہم تو شروع سے یہی کہتے آرہے ہیں کہ اسے مارا نہ جائے۔ کسی طرح پاگل خانے پہنچا دیا جائے۔"

پھوپھی نے کہا۔ "اسے پاگل ثابت کرنے کا اچھا موقع ملا تھا۔ اس کا حافظہ کمزور ہوگیا تھا۔ بے تکی باتیں کرتا تھا۔ سب ہی اسے خبطی کہنے لگے تھے۔"

پھوپھا نے کہا۔ "اب بھی کہیں گے۔ اسے طیش دلایا جائے، جنون میں مبتلا کیا جائے تو وہ ہمیشہ مجنوں ثابت ہوتا رہے گا۔"

پھوپھی نے کہا۔ "میں تو ایک ہی بات کہتی ہوں، اس کی لیلیٰ کو اٹھوا لو۔ پھر دیکھو، وہ کیسے انگاروں پر لوٹے گا اور الٹی سیدھی حرکتیں کرے گا؟"

"عینی کو اغوا کیا جائے گا تو اس کا الزام بھی ان تینوں پر ہی آئے گا۔ وہ خر دماغ ان کے پیچھے پڑ جائے گا۔"

شکوریا نے کہا۔ "ہم نے طے کیا ہے، اسے اغوا کرانے سے پہلے ہم تینوں لاہور اور اسلام آباد چلے جائیں گے۔ یہاں اسے اٹھوایا جائے گا تو بلال ہم پر شبہ نہیں کرے گا۔ ہمارے پاس ٹھوس ثبوت ہوگا کہ ہم شہروں میں کہاں کہاں وقت گزارتے رہے ہیں، اس طرح ہم قانون کی گرفت میں بھی نہیں آسکیں گے۔"

کاچھی نے کہا۔ "اس کتیا نے اپنے یار کو بدنامی سے بچایا ہے۔ خود بدنامی سے نہیں بچے گی۔ اسے ایسی جگہ رکھا جائے گا۔ اس کی ایسی درگت بنائی جائے گی کہ وہ توبہ توبہ کرتی رہے گی۔ رحم کی بھیک مانگتی رہے گی۔ پر ہمارے خلاف کچھ بولنے کے لیے زندہ واپس نہیں آئے گی۔"

حشمت نے کہا۔ "تھانے دار ہم لوگوں سے ناراض ہو کر گیا ہے۔ اس کی طرف سے ہوشیار رہو۔ روبینہ کے میکے والے آئے ہیں۔ وہ بھی تم تینوں پر شبہ کر رہے ہیں۔ ادھر بلال سے جھوٹ بولنے کے باوجود یہ دھڑکا سا لگا ہوا ہے کہ وہ اب بھی مجھ پر شبہ کر رہا ہے۔ آئندہ میری ٹوہ میں رہے گا۔ میں سوچ رہا ہوں، کچھ عرصے کے لیے یہاں سے چلا جاؤں۔ مجھے فیصل آباد جا کر بھائی کے پاس کچھ روز رہنا چاہیے۔"

پھر وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "مجھے چلنا چاہیے۔ عشاء کی اذان ہونے والی ہے۔"

باسو اس کے ساتھ دروازے تک آیا پھر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا تو اس نے پلٹ کر صحن میں آتے ہوئے کہا۔ "یہ حشمت ہمارے لیے خطرہ بن گیا ہے۔ ہم نے تو سوچا بھی نہ تھا کہ بلال اپنے بہنوئی پر شبہ کرے گا۔"

چچا نے کہا۔ "اسے شبہ نہیں یقین ہے۔۔۔ تب ہی وہ حشمت کو مسجد میں لے گیا تھا۔ پتا نہیں اس نے وہاں کیا جھوٹ سچ بولا ہے؟ کیا بلال اس کے جھوٹ کو سچ مان لے گا؟"

پھوپھی نے کہا۔ "یہ ابھی خود کہہ کر گیا ہے کہ بلال اس

Raigzar-e-Tamana by Maha Malik

6:01 AM , Posted in Maha Malik , Social , 0 Comments

Raigzar-e-Tamana by Maha Malik
Format: PDF
Category: Social
Download

Anda mungkin juga meminati:

Jo Chale To Jaan Se Guzar Gay Maha Malik

Bae Faez by Malik Safdar Hayat

Meethi Churi by Malik Safdar Hayat

Aafat Zadi by Malik Safdar Hayat

کی ٹوہ میں لگا رہے گا اور اگر غلطی سے پکڑا گیا تو وہ سالا اپنے بہنوئی کا لحاظ کبھی نہیں کرے گا۔"

"سالے بہنوئی کا سمجھوتا بھی ہوسکتا ہے کہ حشمت اگر سالے کا ساتھ دے اور ہمارے خلاف بیان دے کہ ہم تینوں میں سے کوئی ایک روبینہ کے پاس گیا تھا تو بلال تھانے دار سے مل کر اس بات کو خوب اچھالے گا۔ پھر ہم میں سے کسی ایک کو گناہ گار ثابت کیا جائے گا۔"

پھوپھی نے کہا۔ "یہ بات موٹی سی عقل میں بھی آتی ہے۔ حشمت کی جان پر بن آئے گی تو وہ اپنا گناہ ہمارے کسی بیٹے کے سر ڈال دے گا۔ بلال بھی تم تینوں سے انتقام لینے کے لیے بہنوئی کو تمہارے خلاف استعمال کرسکتا ہے۔"

چچا نے کہا۔ "ہمیں ابھی یہ نہیں سوچنا ہے کہ عینی کو اغوا کیا جائے اور بلال کو پاگل خانے پہنچایا جائے۔ فی الحال ایک سالے نے بہنوئی کو مسجد میں لے جا کر ہماری آنکھیں کھول دی ہیں۔ ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ اب حشمت کا گناہ ہمارے کسی بھی بیٹے کے سر تھوپا جاسکتا ہے۔"

"اس وقت ہمارے لیے سب سے خطرناک حشمت ہے۔ وہ کسی وقت بھی پٹڑی بدل کر ہمارے خلاف اپنے سالے کی حمایت حاصل کرلے گا۔"

"لہٰذا جس سے خطرہ ہے، اس سے پہلے نجات حاصل کرنی چاہیے۔"

کاچھی نے کہا۔ "حشمت کی زندگی ہماری موت ہے۔"

شکوریا نے کہا۔ "اور اس کی موت ہماری زندگی ہے۔"

چچا نے کہا۔ "وہ نہیں رہے گا تو تم تینوں کے خلاف کوئی چشم دید گواہ نہیں رہے گا۔"

"آج بلال نے اسے مسجد میں لے جا کر اس کا سختی سے محاسبہ کیا ہے۔ یقیناً اس نے بہنوئی کے جھوٹ کو سچ نہیں سمجھا ہے۔ پتا نہیں وہ آج یا کل تک کیا کر گزرے گا؟"

"وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ بہنوئی کو پہلے قابو میں کرے گا۔ اسے وعدہ معاف گواہ بنا کر سارا راز اگلوائے گا پھر ہم پر چڑھ دوڑے گا۔"

پھوپھا نے کہا۔ "بلال کو اتنا موقع نہ دو۔ اس سے پہلے ہی حشمت کو ختم کردو۔ وہ ہمارے لیے بہت بڑی مصیبت بننے والا ہے۔"

لوگ ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے بہت کچھ کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ پیٹھ موڑ کر جانے والا ان کی باتیں سن نہیں پائے گا مگر حشمت دروازے سے کان لگائے سن رہا تھا۔

اسے مسجد کی طرف جاتے وقت یاد آیا کہ جیب میں چابیاں نہیں ہیں۔ وہ چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہیں بھول آیا ہے۔ اسے واپس آنا پڑا مگر دروازے پر پہنچتے ہی ٹھٹک گیا۔ اس وقت چچا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اس وقت ہمارے لیے سب سے خطرناک حشمت ہے۔ وہ کسی وقت بھی پٹڑی بدل کر ہمارے خلاف اپنے سالے کی حمایت حاصل کرلے گا۔

چچا کی اس بات نے حشمت کو چونکا دیا۔ وہ وہیں رک کر ان کی باتیں سننے لگا۔ اس کے بعد دوسرے بھی اس کے خلاف بولتے ہوئے اور اس کے قتل کا منصوبہ بناتے ہوئے سنائی دیے۔ جن پہ تکیہ تھا، وہی پتے ہوا دینے لگے۔

اس کے دیدے حیرانی سے پھیل گئے۔ جن پر بھروسا کرکے وہ مجھ سے دشمنی کررہا تھا۔ مجھے پاگل خانے بھیجنے یا مار ڈالنے کی کوششیں کرتا رہا تھا، وہی لوگ اس کی ہلاکت کا فیصلہ کررہے تھے، بلکہ کرچکے تھے۔ اب کسی وقت بھی موقع پاکر اس فیصلے پر عمل کرنے والے تھے۔

وہ فوراً ہی وہاں سے پلٹ گیا۔ اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ ان لمحات میں وہ بالکل تنہا ہوگیا تھا۔ دوست اچانک دشمن ہوگئے تھے۔

ہم اس کے رشتے دار تھے۔ اپنی چھت کے سائے میں اسے گھر داماد بنا کر اس کی پرورش کررہے تھے۔ محبتیں دے رہے تھے۔ اس کے عوض وہ میٹھی چھری بن کر ہمیں ہی کاٹ رہا تھا۔ اب نتیجہ اس کے سامنے تھا۔

مگر لوگ برے انجام سے دوچار ہوکر بھی اپنی غلطیوں کو یاد نہیں کرتے۔ یہی کہتے ہیں کہ مقدر کی خرابی تھی۔

حشمت کی بھی سوچ یہی تھی کہ مال و دولت اور اقتدار حاصل کرنے کے لیے مقابل کو کچلتے ہوئے آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ اسی سوچ کے مطابق وہ جو کرتا آرہا تھا، وہ اپنے اور بیوی بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے ایک طرح کی جدوجہد تھی۔ اپنی بہتری کے لیے جنگ لڑنا اس کا فرض تھا۔ ویسے بھی کہا جاتا ہے کہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔

اب وہ زندگی اور موت کے درمیان آکر اٹک گیا تھا۔ وہ تینوں اپنی سلامتی کی خاطر ہر حال میں اسے موت کا مزہ چکھانے والے تھے اور مجھ سے یہ توقع نہیں تھی کہ میں روبینہ کی زندگی برباد کرنے والے کو معاف کردوں گا۔

وہ جانتا تھا کہ میری بہن چھانو بھی ایسے شوہر پر تھوکے گی۔ اسے گھر سے تو کیا اپنی زندگی سے بھی نکال دے گی۔

وہ عیش وعشرت کی زندگی سے محروم ہونا نہیں چاہتا تھا۔ یہ خوب جانتا تھا کہ اپنے رشتے داروں کا محتاج بن کر رہ جائے گا۔ در در کا بھکاری کہلائے گا۔ اس کے لیے لازمی تھا کہ وہ میرے سامنے امی اور چھانو کے سامنے ایک سعادت مند، وفادار اور سیدھا سادہ سا داماد بن کر رہے۔

ان حالات میں ان تینوں کے خلاف اسے اپنی بقا کی جنگ تنہا لڑنی تھی۔ اس کے پاس ایک رائفل تھی۔ جس سے اس نے پرندے مارے تھے۔ بندے مارنے والا مزاج نہیں تھا۔ میرے مسلح کارندوں کو اس نے کبھی استعمال نہیں کیا تھا اور نہ ہی وہ کارندے میری اجازت کے بغیر اس کا حکم مان سکتے تھے۔

فی الحال اس کے پاس پیسے کی طاقت تھی۔ وہ میری جائیداد کے معاملات سنبھال رہا تھا۔ ہیرا پھیری کے ذریعے لاکھوں روپے جمع کیے تھے۔ وہ اتنی بڑی رقم کہیں چھپا کر رکھتا تھا۔ آئندہ یہی دولت اس کے کام آسکتی تھی۔

یہ اس کی مجبوری تھی۔ وہ اپنے مزاج کے خلاف کسی پر گولی نہیں چلا سکتا تھا۔ مگر بڑی بڑی رقمیں خرچ کر کے کرائے کے قاتلوں سے کام لے سکتا تھا۔ ان تینوں کا جینا حرام کر سکتا تھا۔ اس کے سامنے یہی ایک راستہ رہ گیا تھا۔ وہ اسی ایک پہلو سے ایسی تدبیر سوچنے لگا جس پر عمل کر کے سانپوں کو بھی مار دیتا اور اس کی ساکھ بھی برقرار رہتی۔

☆☆☆

دلہن کا مسئلہ بہت اہم تھا۔ سارے اختلافات اور مسائل اسی حجلۂ عروسی سے شروع ہوئے تھے۔ وہ کورے کاغذ کی طرح آئی تھی۔ اس کاغذ کو داغدار کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں سب کے ذہنوں میں ایک ہی سوال تھا۔ ”کیا جاکھا اسے قبول کر لے گا؟“

جاکھا کشمکش میں تھا۔ چور نے اس کے مال پر ہاتھ صاف کیا تھا اور مال وہیں چھوڑ گیا تھا۔ یعنی یہ کہہ گیا تھا کہ لو! میرا جھوٹا کھا ہوا چاٹو۔۔۔

لڑکی کی عمر زیادہ ہو، وہ برسوں میکے میں پڑی رہی ہو۔ تازگی ختم ہو گئی ہو۔ باسی لگ رہی ہو، تب بھی کسی دن دلہن بن جاتی ہے۔ باسی کھانا کھا لیا جاتا ہے۔ مگر جھوٹا کھایا نہیں جاتا۔ مردانگی کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

اس نے روبینہ کے والدین سے کہا۔ ”میں ابھی الجھن میں ہوں۔ کچھ سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔ مجھے سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کے لیے وقت دیا جائے۔ تب تک آپ بیٹی کو اپنے پاس رکھیں۔“

سسر نے پوچھا۔ ”کیوں اپنے پاس رکھیں؟ کل تم اسے بیاہ کر لائے آج اسے واپس کر رہے ہو۔۔۔ کیوں؟“

”کیا ہم نے جو بیٹی دی تھی، اس میں کوئی عیب یا داغ دھبا تھا؟“

جاکھے کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

ساس نے کہا۔ ”بیٹی ہمارے لیے پرائی ہو چکی ہے۔ یہاں لا کر اسے واپس کرنا چاہتے ہو تو جیسی بے داغ ہم نے دی تھی۔ ویسی ہی صاف ستھری واپس کرو۔“

جاکھے نے کہا۔ ”ہم نے آپ کی بیٹی کو نقصان نہیں پہنچایا ہے۔“

”نقصان تمہارے گھر آ کر پہنچا ہے۔ تمہارے کسی رشتے دار نے برات میں آنے والوں میں سے کسی نے تمہارے گھر میں گھس کر شرمناک حرکت کی ہے۔ ہماری بیٹی کو اپنے گھر لا کر اس کی عزت کو مٹی میں ملا کر کہتے ہو، تم نے اسے نقصان نہیں پہنچایا ہے؟“

روبینہ کے میکے سے آنے والے تمام بزرگوں نے اتفاق رائے سے کہا۔ ”روبینہ کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ اس بیچاری کو لوٹا گیا ہے۔ جس نے غلطی کی ہے، جرم کیا ہے اسے پکڑو۔ اسے سزا دو۔ روبینہ کو قبول کرو۔ یا جیسی کوری کنواری لائے تھے، ویسی ہی واپس کرو۔“

چونکہ بات دین ایمان۔۔۔۔۔۔۔ اور انصاف کے مطابق تھی۔ اس لیے جاکھے کے بزرگوں نے بھی یہی کہا کہ لڑکی سے ناانصافی نہ کی جائے۔ اس پر ظلم ہوا ہے۔ جاکھا اسے قبول نہیں کرے گا تو یہ اس سے بڑا ظلم ہوگا۔

یہ بھی کہا جا رہا تھا کہ دلہن کا قصور نہیں ہے تو دولھے کا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔ جس نے زیادتی کی ہے، اسے پکڑ کر سزا دی جائے۔ سزا دولھا کو نہیں ملنی چاہیے۔

روبینہ اپنی ماں بہنوں کے درمیان بیٹھی خاموشی سے تمام باتیں سن رہی تھی۔ وہ گونگی بہری بن کر رہنے والی ناخواندہ لڑکی نہیں تھی۔ اس نے لاہور میں اپنی پھوپھی کے پاس رہ کر بارہ جماعتیں پاس کی تھیں۔

اس نے کہا۔ ”میں کچھ کہنا چاہتی ہوں اور یہ میرا معاملہ ہے۔ مجھے ہی کہنا چاہیے۔“

وہ سب اسے دیکھنے لگے۔ وہ نصف گھونگھٹ میں تھی۔ پوری طرح گھونگھٹ الٹ کر بولی۔ ”اب کاہے کی شرم؟ میرے ساتھ جو ہونا تھا، وہ ہو گیا۔ جس کے گھر آ کر لٹ گئی ہوں، انہیں شرم آنی چاہیے۔“

اس نے جاکھے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”میں میکے سے نکل کر یہاں آئی۔ یہاں سے نکل کر واپس جاؤں گی تو سسرال سے دھتکاری ہوئی لڑکی کتنے دن میکے میں رہ پائے گی؟ کون میرا بوجھ اٹھائے گا؟ میں تو گھر کی رہی نہ گھاٹ کی۔“

وہ بڑے دکھ سے بولی۔ ”جو پہلی رات برباد ہو گئی۔ بدنام ہو گئی۔ اسے کون قبول کرے گا؟ ابھی تو امی اور ابو مجبوراً مجھے لے جائیں گے۔ پر میرا میکا اب میری امی کا اور ابو کا نہیں رہا ہے۔ وہاں بھائیوں اور بھابیوں کی حکمرانی ہے۔ میں وہاں جانے کا نتیجہ جانتی ہوں۔ اس لیے کیوں واپس جاؤں؟“

پھر اس نے میکے والوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”خدا کے لیے آپ سب چلے جائیں۔ میں واپس نہیں جاؤں گی۔ میں ایک مرد کے سہارے زندگی گزارنے کے لیے آئی تھی۔ وہ مرد بھی میرے لیے ناکارہ ہو گیا ہے۔ لہٰذا اب میں آزاد ہوں۔ اپنی مرضی سے جہاں چاہوں جا سکتی ہوں۔“

ماں نے پوچھا۔ ”کہاں جاؤ گی؟ تمہیں اس لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ در بدر کی ہو جاؤ اور ہم تماشا دیکھتے رہیں۔“

وہ بولی۔ ”آپ اطمینان رکھیں میں تماشا نہیں بنوں گی۔ لاہور میں پھوپھی کے پاس رہ کر کہیں بھی جاب کروں گی۔ اپنے بل پر زندگی گزاروں گی۔“

اس نے جاکھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”آئندہ کبھی ایسے مرد کا سہارا نہیں لوں گی۔“

جاکھا کوئی جواب دیے بغیر وہاں سے جانے لگا۔ تھانے دار دروازے کے پاس ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تمام باتیں سن رہا تھا۔ اس نے جاکھے سے کہا۔ ”رک جاؤ۔ تمہارے گھر میں بہت بڑی واردات ہوئی ہے۔ جب تک قانونی کارروائی مکمل نہیں ہوگی، مجرم کا سراغ نہیں ملے گا تب تک دلہن یہاں سے نہیں جائے گی۔ تم اسے قبول کرو یا نہ کرو۔ مگر قانوناً اس کے نگراں سرپرست اور مجازی خدا ہو۔ یہ تمہاری نگرانی میں یہاں رہے گی۔“

روبینہ نے کہا۔ ”پتا نہیں وہ مجرم کب پکڑا جائے گا؟ دو گھنٹوں میں، دو دنوں میں یا دو برسوں میں؟ ممکن ہے، وہ پکڑا ہی نہ جائے۔ کیا تب تک میں یہاں قیدی بن کر رہوں گی؟“

”تم یہاں ایک شریف زادی کی طرح آزاد رہو گی۔ میں مجرموں کی بو سونگھ لینے میں دیر نہیں کرتا۔ چوبیس گھنٹوں کے اندر اس کی گردن دبوچ کر یہاں لے آؤں گا۔“

وہ بولی۔ ”پھر تو میں اس پر تھوکنے کے لیے یہاں ضرور رہوں گی۔“

تھانے دار نے کہا۔ ”میں دلہن کے باپ، اس کے۔۔۔۔ بھائیوں، جاکھے اور اس والد سے کہتا ہوں، کسی بند کمرے میں مجھ سے باتیں کریں۔ اس کمرے میں صرف یہ چھ بندے رہیں گے۔ میں کسی ساتویں کو وہاں آنے کی اجازت نہیں دوں گا۔“

تھوڑی دیر بعد تھانے دار کی ہدایت کے مطابق وہ سب ایک کمرے میں آ گئے۔ انہوں نے دروازے اور کھڑکیوں کو اندر سے بند کر دیا پھر ایک دوسرے کے روبرو بیٹھ گئے۔

تھانے دار جواد نے کہا۔ ”میں بڑی دیر سے دیکھ رہا تھا کہ لڑکی والے اور لڑکے والے آپس میں لڑ رہے ہیں۔ جھگڑا یہ ہے کہ لڑکی جاکھے کے گھر آ کر لٹ گئی۔ جبکہ اس بیچارے دولھے کا کوئی قصور نہیں ہے۔“

وہ روبینہ کے باپ کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”ایک جاکھے کا ہی گھر نہیں ہے۔ جوان اور خوبصورت عورتیں کہیں بھی لٹ جاتی ہیں۔ ہم پولیس والے یہ نہیں دیکھتے کہ کس جگہ زیادتی ہوئی ہے؟ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ زیادتی کس نے کی ہے؟“

وہ ان سب پر ایک نظر ڈالتے ہوئے بولا۔ ”آپ سب کو اس چور اور لٹیرے کی گردن دبوچنا چاہیے۔ اسے تلاش کرنا چاہیے۔ تعجب ہے اسے بھول کر اس بحث میں پڑے ہیں کہ لڑکی سسرال میں رہے گی یا میکے جائے گی؟ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ برباد ہونے والیاں دیر سویر کہیں نہ کہیں آباد ہو ہی جاتی ہیں۔“

وہ انگلی اٹھا کر بولا۔ ”بات آ کر اٹکتی ہے، ایک مجرم پر۔۔۔ اس مجرم نے باپ اور بھائیوں کے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔ جاکھے کے لیے ڈوب مرنے کی بات ہے کہ وہ بھری برادری میں آ کر اس کے کمرے میں تھوک کر گیا ہے۔“

اس نے روبینہ کے باپ اور بھائیوں سے پوچھا۔ ”کیا طمانچہ کھا کر ایک بیٹی اور بہن کو یہاں چھوڑ کر چلے جائیں گے؟ اس مجرم کو پکڑنے میں مدد نہیں کریں گے؟“

انہوں نے کہا۔ ”ہم ابھی واپس نہیں جائیں گے۔ اس کمینے کو ڈھونڈ نکالنے میں آپ کا ساتھ دیں گے۔“

جاکھے نے کہا۔ ”ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔“

جواد نے کہا۔ ”میں پچھلے چھ گھنٹوں سے یہاں کی ایک ایک عورت، ایک ایک مرد کتنے ہی بچوں اور بوڑھوں سے سوالات کرتا پھر رہا ہوں۔ یہ معلوم کر رہا ہوں کہ پچھلی رات گیارہ بجے کے بعد کون سو رہا تھا اور کون جاگ رہا تھا؟

سونے والے کہاں سو رہے تھے اور جاگنے والے کیا کر رہے تھے؟"

جاکھے کے باپ نے کہا۔ "ہم بھی یہ معلوم کرتے رہے ہیں۔ گھوم پھر کر بلال اور ان تین بھائیوں کی عداوتیں ہمیں الجھا دیتی ہیں۔ یہی بات عقل میں آتی ہے کہ انہوں نے ایک دوسرے کو مجرم ٹھہرانے، ذلیل کرنے اور بدنام کرنے کے لیے ایسی شرمناک حرکت کی ہے۔"

روبینہ کے بڑے بھائی نے کہا۔ "جب ہمیں معلوم ہوا کہ ان کے درمیان جان پر کھیل جانے والی دشمنی چل رہی ہے تو ہم بھی ان پر شبہ کرنے لگے ہیں۔"

جواد نے کہا۔ "میری انکوائری کے مطابق بلال رات گیارہ بجے سے بیٹھک میں لیٹا ہوا تھا۔ جب وہ غسل خانے میں گیا تب اس پر انگوٹھی کے ذریعے الزام لگایا گیا۔ جو بعد میں جھوٹا ثابت ہوا۔ اب عقل کیا کہتی ہے؟"

اس نے سوال کیا پھر خود ہی جواب دیا۔ "صاف ظاہر ہے، وہ تینوں اپنی کمینگی چھپانے کے لیے بلال کو پھانس رہے تھے۔ یہ تو میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں، مجرم ان تینوں میں سے کوئی ایک ہے۔"

"آپ ان تینوں کو حراست میں لے کر اقبالِ جرم کرا سکتے ہیں۔"

"وہ پکے بدمعاش ہیں۔ ڈھیٹ ہیں۔ اپنے چک کے معزز زمیندار ہیں۔ میں تھانے میں لے جا کر ان کی پٹائی نہیں کر سکتا اور نہ وہ مار کھا کر سچ اگلنے والوں میں سے ہیں۔ صبح انہیں حوالات میں ڈالوں گا تو شام تک ضمانت پر رہائی حاصل کر لیں گے۔"

روبینہ کے باپ نے پوچھا۔ "اس کا مطلب، وہ قانون کی گرفت میں نہیں آئیں گے؟"

وہ بولا۔ "جو سیدھی طرح قابو میں نہیں آتے، ان بدمعاشوں کو بدمعاش بن کر قابو میں لایا جاتا ہے۔ آپ سب یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ اس معاملے میں ان کے خلاف قانونی کارروائی سے کچھ نہیں بنے گا۔"

روبینہ کے بھائی نے کہا۔ "ہم سب انہیں پکڑ کر باندھیں گے۔ ان کے منہ ہاتھ توڑیں گے۔ پھر وہ سچ اگل دیں گے۔"

جواد نے کہا۔ "آپ مار پیٹ کریں گے تو وہ لوگ اوکاڑہ شہر سے پولیس کی مدد حاصل کریں گے۔ پھر مجھے جواب دینا ہوگا کہ میں نے اپنے علاقے میں دنگا فساد کیوں ہونے دیا؟"

"یعنی آپ ان تینوں کے آگے بے بس ہیں؟"

"میں تھانے دار ہوں۔ میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ جب کوئی بدمعاش سیدھی طرح قابو میں نہیں آتا تو میں بڑی رازداری سے مجرم کی کمزوریوں سے کھیلتا ہوں اور اسے اپنے آگے جھکنے پر مجبور کر دیتا ہوں۔ اگر آپ سب میرا ساتھ دیں گے تو میں ایک چال چلوں گا۔ وہ دو چار دنوں میں ہی سب کے سامنے اپنا گناہ قبول کر لیں گے۔"

روبینہ کے باپ نے اور بھائیوں نے جاکھا اور اس کے باپ نے یک زبان ہو کر کہا۔ "ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کھل کر یا رازداری سے جو کرنا چاہتے ہیں وہ کریں۔ ہم آپ کے سپاہی بن کر ساتھ رہیں گے۔ ان میں سے جو مردود ہے، اسے پکڑنے کے بعد تڑپا تڑپا کر ماریں گے۔"

روبینہ کے بھائی نے پوچھا۔ "آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"بدمعاشی کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے تمہاری بہن کو بدنام کیا۔ ہم سب مل کر ان کی بہنوں کو بدنام کریں گے۔"

"ایسا کرنے سے وہ طیش میں آئیں گے۔ ہمارے آگے جھکنے نہیں آئیں گے۔"

جواد نے کہا۔ "جھکانے کا طریقہ ہوتا ہے۔ میرے آدمی ان میں سے کسی ایک کی بہن کو اغوا کریں گے۔ اسے ایسی جگہ چھپا کر رکھیں گے کہ وہ لوگ اس کے سائے تک بھی پہنچ نہیں پائیں گے۔"

روبینہ کے باپ نے کہا۔ "بیٹی اپنی ہو یا دشمن کی۔ وہ ایک معصوم بیٹی ہی ہوتی ہے۔"

اس کے بیٹے نے کہا۔ "آگے نہ بولو ابا! انہوں نے ہماری بہن کو بہن نہیں سمجھا اور تم ان کی بیٹی کو بیٹی سمجھنا چاہتے ہو؟"

جواد نے کہا۔ "بزرگو! ہم بھی خدا کا خوف رکھتے ہیں۔ ان کی کسی بہن کو اغوا کیا جائے گا مگر اس کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالا جائے گا۔ اس کے بھائیوں کو دھمکی دی جائے گی کہ وہ اقبالِ جرم نہیں کریں گے، تب ان کی عزت کو خاک میں ملایا جائے گا اور یہ محض دھمکی ہوگی۔"

ایک اور بھائی نے کہا۔ "لو تو پھر اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ ہم ان بدمعاشوں کی بہن کے ساتھ شریفانہ بدمعاشی کریں گے۔ اسے اٹھا کر ضرور لائیں گے پر داغدار نہیں کریں گے۔"

تھانے دار نے کہا۔ "تمہیں اٹھانے کی ضرورت نہیں

پڑے گی۔ یہ کام میرے آدمی کریں گے۔ تم چاروں بڑی رازداری سے ان تینوں کو دھمکیاں دیتے رہو گے کہ... روبینہ کو برباد کرنے والا جرم قبول نہیں کریں گے تو ان کی بہن کو بھی برباد کر دیا جائے گا۔"

بڑے بھائی نے کہا۔ "ہم چپ چاپ انہیں دھمکیاں دیں گے۔ سب کے سامنے اسے اغوا کرنے والی بات قبول نہیں کریں گے۔"

جواد نے کہا۔ "میں تھانے دار ہوں۔ میرے سامنے بھی تم قبول نہیں کرو گے۔ میں تمہارے خلاف دکھاوے کی انکوائری کروں گا۔ پھر فیصلہ سنا دوں گا کہ تم لوگوں نے ان کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالا ہے۔"

جاکھے نے کہا۔ "میں نے شادی سے پہلے روبینہ کو دیکھا تھا۔ اسے پسند کیا تھا۔ اب بھی اسے چاہتا ہوں۔ پر ایک چور نے میرے گھر آ کر اس کے ساتھ زیادتی کی ہے اور میں کچھ نہیں کر پا رہا ہوں اس لیے ندامت کے باعث روبینہ سے کترا رہا ہوں۔"

وہ کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اگر وہ مجرم پکڑا جائے اور اسے میرے حوالے کیا جائے تو میں اسے اپاہج بنا کر انتقام لوں گا۔ اس طرح میری مردانگی کو تسکین ملے گی۔ پھر میں روبینہ کے سامنے سر اٹھا کر اسے قبول کروں گا۔"

روبینہ کے تینوں بھائی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے بڑکیں لگائیں پھر ایک نے کہا۔ "اوئے! ہم نے بہن دی ہے۔ اسے یہاں عزت سے رکھنے کے لیے گناہ گار شیطان کو تیرے حوالے ضرور کریں گے۔"

وہ چاروں آگے بڑھ کر جاکھے سے مصافحہ کرنے لگے۔ اسے گلے لگانے لگے۔ تھانے دار جواد اپنے مقصد میں کامیاب ہونے والا تھا۔ ان تینوں سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرنے کے لیے پھر ان کی گردنیں دبوچنے والا تھا۔ ایسا کرنے کے لیے وہ دولہا اور دلہن کے بھائیوں کو اپنے لیے استعمال کر چکا تھا۔ وہ بڑے فاتحانہ انداز میں مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔

☆☆☆

جاکھا اور میں بچپن سے دوستوں کی طرح رہتے آئے تھے۔ رشتے دار اور دوست ہونے کے باوجود اس نے روبینہ کے سلسلے میں مجھ پر شبہ کیا تھا۔ اب وہ شبہ تو نہیں رہا تھا پھر بھی وہ مجھ سے دور دور رہنے لگا تھا۔ اس نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ بند کمرے میں تھانے دار کے ساتھ کیسی مجرمانہ پلاننگ کی گئی ہے؟

اس پلاننگ کے مطابق شکوریا کی بہن شینا کو یا پاسو کی بہن زرینہ کو اٹھایا جانے والا تھا۔ کاچھی کی کوئی بہن نہیں تھی۔ ان دنوں زرینہ کا رشتہ طے ہونے والا تھا۔ اس لیے وہ اسی شام اپنی پھوپھی کے ساتھ فیصل آباد کے لیے روانہ ہو گئی۔

اب وہاں صرف شینا رہ گئی تھی۔ تھانے دار کے منصوبے کے مطابق اسی کے ساتھ کچھ ہونے والا تھا۔ وہ روبینہ کے سلسلے میں مجھے بدنام کرنے لیے خوب زہر اگلتی رہی تھی۔ عورتوں میں جہاں بیٹھتی تھی، میرا ہی ذکر چھیڑ دیتی۔ مجھے پاگل، جنونی اور گناہ گار کہتی رہتی۔

میں عینی کی محبت اور حکمتِ عملی کے نتیجے میں شرمناک الزام سے بری ہو گیا تھا اور یہ شینا سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اب وہ سرگوشیوں میں یہ بات پھونکنے لگی تھی کہ میرے اور عینی کے درمیان ناجائز تعلقات قائم ہو چکے ہیں اور وہ جلد ہی ہمیں رنگے ہاتھوں پکڑانے والی ہے۔

ایک بار اس سے سامنا ہوا تو میں نے کہا۔ "تم میرے چچا کی بیٹی ہو۔ میری چھوٹی بہن ہو۔ ہمارے خلاف گندی گندی باتیں کرو گی تو لوگ تمہیں بھی ایسا ہی سمجھیں گے۔ پھر کہیں سے تمہارا رشتہ نہیں آئے گا۔ خدا کے لیے کم از کم عینی کو میرے ساتھ بدنام نہ کرو۔"

وہ نفرت سے بولی۔ "عینی کا نام نہ لو۔ اس کالی بلی نے میرا راستہ کاٹا ہے۔ ورنہ میرا رشتہ تم سے ہونے والا تھا۔"

"رشتہ نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم میرے خلاف زہر اگلنا شروع کر دو۔ مجھے اپنی پروا نہیں ہے۔ مگر عینی پر رحم کرو۔ خواہ مخواہ اسے بدنام نہ کرو۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "اس کی بہتری چاہتے ہو تو میرے بارے میں سوچو۔ میں اس سے کسی طرح کم نہیں ہوں۔ تمہارے ساتھ بدنام ہونے کو تیار ہوں۔ اس طرح عینی کو نیک نامی ملے گی۔"

"یہ بات اچھی طرح سمجھ لو بلکہ گرہ میں باندھ لو کہ عینی کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔"

چند عورتیں اپنے گھر والوں کے ساتھ اس گلی سے گزر رہی تھیں۔ شینا نے اچانک ہی تیور بدل کر چیختے ہوئے کہا۔ "تمہیں شرم نہیں آتی۔ میں تمہاری چچازاد بہن ہوں اور مجھ سے ایسی گندی باتیں کر رہے ہو؟"

گزرنے والے رک گئے۔ میں نے اس کی مکاری سمجھ لی اور فوراً ہی مسکرا کر کہا۔ "میں تمہیں نماز پڑھنے کو کہہ رہا ہوں۔ اس سے پہلے یہ سمجھا رہا ہوں کہ ناپاکی کو اور ناپاک

خیالات کو سمجھو۔ منہ سے گندی بات نہ کہو۔“

وہ آس پاس جمع ہونے والوں کو دیکھتے ہوئے اپنے دونوں کان پکڑتے ہوئے بولی۔ ”توبہ توبہ۔ ابھی تم نے نماز کی کوئی بات نہیں کی تھی۔“

میں نے کہا۔ ”اسی طرح کان پکڑ کر توبہ توبہ کرتے ہوئے سچ بولو۔ میں نے بھی کوئی گندی بات نہیں کی تھی۔“

وہ بولی۔ ”جھوٹ نہ بولو۔ تم ابھی یہ نہیں کہہ رہے تھے کہ مجھے گھر سے بھگا کر لے جاؤ گے؟“

”کیوں گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہی ہو؟ خدا سے ڈرو اور جھوٹ سے توبہ کرو۔“

اس کا بھائی شکوریا بھی وہاں پہنچ گیا۔ چچا اور چچی بھی آگئے۔ وہ سب ہی مجھے لعن طعن کرنے لگے۔ شکوریا مجھ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ چچا نے اور دوسرے لوگوں نے اسے پکڑ رکھا تھا۔

میں نے کہا۔ ”اسے چھوڑ دو۔ مار کھانا چاہتا ہے۔ اسے اپنی حسرت پوری کرنے دو۔“

جاکھے اور اس کے باپ نے ہم سب کی نگرانی کے لیے کئی بندے مقرر کیے تھے۔ ہم ان کے براتی تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہاں ایک دوسرے سے لڑتے رہیں۔ ان نگرانی کرنے والوں نے وہاں آکر بات بڑھنے نہیں دی۔ وہ مجھے ان سے دور لے آئے۔

میں ایک ضروری کام سے اوکاڑہ جانے والا تھا۔ رات دس بجے تک واپسی تھی۔ میرے جانے کے بعد حشمت نے امی اور چھانو سے کہا۔ ”ہم اور کتنے دنوں تک جاکھے کے مہمان بن کر رہیں گے؟ ہمیں اب واپس جانا چاہیے۔“

وہ ان تینوں سے خوفزدہ تھا۔ انہیں اپنے برے وقت کا ساتھی سمجھتا تھا مگر اب وہی اس کے جانی دشمن بن گئے تھے۔ میری بہن چھانو نے کہا۔ ”واپس جانے کی ایسی جلدی کیا ہے؟ شادی بیاہ کے بہانے کبھی کبھی گھر سے نکلنے کا موقع ملتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا، تم یہاں آکر پریشان کیوں رہنے لگے ہو؟“

شادی کے بعد ولیمہ ہونے والا تھا مگر یہ طے نہیں ہو رہا تھا کہ یہ شادی ہوئی بھی ہے یا نہیں؟ دلہن کو قبول کیا جاتا تو ولیمہ ہوتا۔

حشمت نے کہا۔ ”جب تک ولیمہ نہیں ہوگا، تب تک ہم یہاں بیٹھیں رہیں گے؟“

امی نے کہا۔ ”آج کل میں فیصلہ ہو جائے گا۔ تمہیں زمینوں کی فکر ہے تو چلے جاؤ۔ ہم بلال کے ساتھ آجائیں گے۔“

وہ ان تینوں سے دور جانا چاہتا تھا۔ امی نے جانے کی اجازت دی تو اس نے کہا۔ ”بلال رات تک واپس آجائے گا۔ میں کل صبح چلا جاؤں گا۔ بلال کی رائفل لے جاؤں گا۔“

چھانو نے پوچھا۔ ”تم اپنی بندوق کیوں نہیں لائے؟“

”مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں میرے لیے ضروری ہو جائے گی۔“

امی نے تعجب سے پوچھا۔ ”یہاں تمہارے لیے بندوق کیوں ضروری ہے؟ وہ کم بخت جو ہمارے دشمن ہیں وہ بھی تم سے صاحب سلام رکھتے ہیں۔ تم پریشان کیوں لگ رہے ہو؟“

”دشمن کی صاحب سلامت سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ ان کا دماغ پھرے گا تو بلال کا غصہ مجھ پر اتاریں گے۔ مجھ سے غلطی ہوئی، اپنی رائفل لے کر نہیں آیا۔“

چھانو نے پوچھا۔ ”اب یہاں سے میرے بھائی کی بندوق لے جانا چاہتے ہو۔ کیا اسے نہتا کر کے جاؤ گے؟“

وہ وہاں سے اٹھ گیا۔ پاؤں پٹخ کر جاتے ہوئے بولا۔ ”خالی ہاتھ جاؤں گا، جو ہوگا دیکھا جائے گا۔“

وہ دروازے کو زوردار آواز سے بند کرتا ہوا چلا گیا۔ امی نے چھانو سے پوچھا۔ ”یہ کیا کہہ گیا ہے کہ جو ہوگا دیکھا جائے گا آخر کیا ہوگا؟ سمجھ میں نہیں آتا، اسے پریشانی کیا ہے؟“

اور پریشانی ایسی زبردست تھی کہ اس کے لیے ہتھیار رکھنا ضروری ہو گیا تھا۔ وہ جس خطرے سے دوچار ہونے والا تھا، اس کے متعلق انہیں کچھ نہیں بتا سکتا تھا۔ وہ تنہا اپنی سلامتی کی فکر کر رہا تھا۔

وہاں بیٹھک میں رات گئے تک تاش کی بازی جاری رہتی تھی۔ اس رات خاص طور پر جاکھا، باسو، کاچھی، شکوریا، حشمت اور روبینہ کے بھائی تاش کھیلنے آئے۔ جاکھے اور روبینہ کے بھائی وہاں صبح تک اس لیے رہنا چاہتے تھے کہ کسی کی بہن کے اغوا کا الزام ان پر نہ آئے۔

اور وہ تینوں اس لیے بیٹھک میں رہنا چاہتے تھے کہ حشمت کسی وقت بھی وہاں سے اٹھ کر جائے گا تو رات کی تاریکی میں مارا جائے گا۔ پھر سب گواہی دیں گے کہ اس کی ہلاکت کے وقت وہ تینوں بھائی مہمان باراتیوں کے ساتھ تاش کھیل رہے تھے۔

حشمت نادان نہیں تھا۔ وہ بھی کچھ سوچ سمجھ کر اس

بیٹھک میں تاش کھیلنے اور تہجد کی نماز پڑھنے آیا تھا۔ وہاں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک تہجد گزار وہاں بیٹھے کیسی واردات کر گزرے گا؟

بڑا عجیب سا شادی کا ماحول تھا۔ بڑے ارمانوں سے دلہن لائی گئی تھی مگر وہاں شادیانے نہیں بج رہے تھے۔ ابھی یہ فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ دلہن وہاں رہے گی یا واپس کر دی جائے گی؟

عجیب سی بات یہ بھی تھی کہ دولہا اور دلہن والوں کے درمیان اختلافات تھے۔ وہ اختلافات دشمنی میں بدلنے والے تھے۔ لیکن وہ دوستانہ انداز میں بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔

رات گزرتی جا رہی تھی۔ تقریباً گیارہ بجے میری چچی یعنی شینا اور شکوریا کی ماں بیٹھک میں آکر ہائے ہائے کرنے لگی۔ شینا لاپتا ہو گئی تھی۔ چچا نے تاش کے پتے ایک طرف پھینک دیے۔ کاچھی، شکوریا اور باسو اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ”کہاں ہے شینا۔۔۔؟ وہ یہاں کسی کے گھر میں ہوگی۔“

چچی نے کہا۔ ”سارے رشتے دار اور محلے کی عورتیں گھر گھر جا کر دیکھ چکی ہیں۔ وہ کسی کی چار دیواری میں نہیں ہے۔“

”تو پھر کہاں ہے؟ وہ کس کے ساتھ گھر سے نکلی تھی؟ کب نکلی تھی؟“

”مغرب کے بعد اپنے ماما جی کے گھر گئی تھی۔ وہاں دائی ماں اپنی بہو مینا کے ساتھ آئی تھی۔ ان سے باتیں کرنے کے بعد وہ گھر آنے والی تھی۔ ماما جی نے شینا کو ان کے ساتھ کر دیا۔“

”کیا دائی ماں شینا کو گھر نہیں لائی؟“

”نہیں۔ شینا نے راستے میں کہا کہ دائی ماں تم چلو میں اپنی ایک سہیلی سے مل کر آتی ہوں۔ بس یہ کہہ کر وہ دوسری گلی میں چلی گئی۔“

چچی رو رو کر کہہ رہی تھی۔ ”دائی ماں نے مجھے آکر بتایا کہ وہ کسی سہیلی سے ملنے گئی ہے۔ میں حیران ہوئی کہ یہاں تو اس کی کوئی سہیلی نہیں ہے پھر کہاں گئی ہے؟“

وہ اپنے سینے پر دو ہتڑ مار کر روتے ہوئے بولی۔ ”ہائے میری بچی کہاں ہوگی؟ اگر کوئی سہیلی ہے بھی تو ہم اس کا گھر نہیں جانتے۔ پھر بھی ایک ایک گھر میں گھس کر دیکھ چکے ہیں۔“

اس کی گمشدگی سے سب ہی حیران تھے۔ اسے

ڈھونڈنے کے لیے بیٹھک سے نکل آئے تھے۔ وہ تینوں اپنے کمروں سے بندوقیں نکال کر گرج رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ کسی نے ان کی بہن کو ہاتھ بھی لگایا تو وہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے اور یہ جتانے کے لیے تڑاتڑ ہوائی فائر کررہے تھے کہ کسی طرح زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

روبینہ کے ایک بھائی نے کہا۔ ”ہم نے بھی یہاں آکر گولیاں چلائی تھیں۔ پر بہن کی لٹی ہوئی عزت واپس نہیں آئی۔ تمہاری بہن ابھی محفوظ ہوگی۔ اسے اغوا کرنے والے زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ بندوقیں نیچی کرو اور اسے تلاش کرو۔ ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔“

وہاں عورتوں اور مردوں کی بھیڑ بڑھتی جارہی تھی۔ امی بھی وہاں تھیں۔ ایسے وقت کسی نے کہا۔ ”بلال نظر نہیں آرہا ہے۔ وہ کہاں ہے؟“

ان تینوں نے چونک کر امی کو دیکھا۔ انہوں نے کہا۔ ”وہ اوکاڑہ گیا ہے۔“

شکوریا نے کہا۔ ”وہ شام کو یہاں تھا۔ شینا سے بدتمیزی کررہا تھا۔“

اس کی ماں نے کہا۔ ”وہ شینا کو بھگا کرلے جانے کی بات کررہا تھا۔“

شام کو جن عورتوں اور مردوں نے میرا اور شینا کا جھگڑا دیکھا تھا، انہوں نے کہا۔ ”وہ یہی کہہ رہی تھی کہ بلال اسے بھگا کرلے جانا چاہتا ہے۔“

امی نے کہا۔ ”کیا تم لوگوں نے میرے بیٹے کی زبان سے یہ بات سنی تھی؟“

ایک بزرگ نے کہا۔ ”یہ شینا نے کہا تھا اور بلال اسے جھٹلا رہا تھا۔“

شکوریا نے کہا۔ ”وہ تم لوگوں کے سامنے سچ کو جھٹلا رہا تھا۔“

کاچھی نے کہا۔ ”آپ لوگ مان لیں، وہ بہت بڑا مکار اور چالباز ہے یا پھر خبطی ہے۔ ادھر عینی سے عشق کررہا ہے اور ادھر ہماری بہن کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔“

باسو نے کہا۔ ”بلال کہیں نہیں گیا ہے۔ گھر میں چھپا ہوا ہے۔ اسے باہر نکالو۔ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“

امی نے کہا۔ ”برسوں سے یہی کہتے آرہے ہو کہ اسے زندہ نہیں چھوڑو گے۔ مجھے خدا پر بھروسا ہے۔ وہ اپنی آخری عمر تک جیے گا۔“

”اسے یہاں بلاؤ۔“

امی نے کہا۔ ”وہ یہاں نہیں ہے۔ اوکاڑہ گیا ہوا ہے۔“

شکوریا نے کہا۔ ”ہم نہیں مانتے۔ تم جھوٹ بول رہی ہو۔“

امی نے اسے غصے سے گھورا۔ پھر کچھ سوچ کر اپنے فون پر نمبر پنچ کیے۔ رابطہ ہونے پر پوچھا۔ ”بیٹے! تم کہاں ہو؟“

میں نے کہا۔ ”آپ تو جانتی ہیں، میں اوکاڑہ میں ہوں۔ جیپ خراب ہوگئی ہے۔ اسے گیراج میں دیا ہے۔ کل دوپہر تک آسکوں گا۔“

”بیٹے۔۔۔! یہاں گڑبڑ ہوگئی ہے۔ شینا لاپتا ہے۔ شبہ کیا جارہا ہے کہ تم اسے بھگا کرلے گئے ہو۔ میں یہ فون چند بزرگوں کو دے رہی ہوں۔ تم اپنی صفائی پیش کرو۔“

امی نے ایک بزرگ کو فون دیا۔ میں نے کہا۔ ”میں خدا کو حاضر وناظر جان کر کہتا ہوں، میں نے شینا کو شام کے بعد دیکھا ہے نہ ہاتھ لگایا ہے۔ میں اوکاڑہ شہر میں ہوں۔ اپنی جیپ کی مرمت کرارہا ہوں۔ کل صبح یا دوپہر تک واپس آجاؤں گا۔“

یہ باتیں میں نے جاکھے کے باپ اور تین بزرگوں سے کہیں۔ انہوں نے تمام لوگوں کے سامنے گواہی دی کہ بلال اوکاڑہ شہر میں ہے۔

شکوریا نے کہا۔ ”وہ تو امریکا میں بیٹھ کر بھی فون پر کہہ سکتا ہے کہ اوکاڑہ میں ہے۔ جہاں میری بہن کو لے گیا ہے، وہاں سے بھی یہی کہہ سکتا ہے۔“

امی نے کہا۔ ”یقین نہیں ہے تو وہاں جاکر دیکھ لو۔ ادھر سب ہی گواہی دیں گے کہ وہ کل شام سے اسی شہر میں ہے اور اس کے ساتھ کوئی لڑکی نہیں ہے۔“

میری بہن چھانو نے کہا۔ ”جب میرا بھائی بے قصور نکلے تو ڈھونڈتے پھرنا کہ بہن کس کے ساتھ بھاگی ہے؟“

چچی نے کہا۔ ”اے خبردار! میری بیٹی بھاگی نہیں ہے۔ ہم سے دشمنی کی جارہی ہے۔“

روبینہ کے بھائی نے کہا۔ ”دشمنی کی بات کی جائے گی تو پھر بتانا ہوگا کہ دشمن کون ہے؟ شینا کے ساتھ کب سے دشمنی کا چکر چل رہا ہے؟ بلال تو کل اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے ثبوت اور گواہوں کے ساتھ آئے گا۔“

روبینہ کے دوسرے بھائی نے کہا۔ ”تم سب کیسے بھائی ہو؟ یہاں لمبی لمبی باتیں کررہے ہو مگر بہن کو ڈھونڈنے نہیں جارہے ہو۔“

وہ تینوں اپنے رشتے داروں کے ساتھ وہاں سے

جانے لگے۔ جاکھے نے اپنے کارندوں کو ساتھ لے لیا۔ روبینہ کے چاروں بھائی بھی پیچھے نہ رہے۔ اس طرح وہ ان تینوں کے غم میں شریک ہورہے تھے۔ خود چور ہوکر چور کو ڈھونڈنے نکل گئے تھے۔ یہ سمجھ گئے تھے کہ تھانے دار جواد اپنا کام دکھا چکا ہے۔

میرے پھوپھا اور دونوں چچا نے تھانے جاکر دہائی دی۔ جواد اکبر نیند سے اٹھ کر آیا پھر بولا۔ ”ایسی کیا مار پڑی ہے کہ رات کے ایک بجے نیند خراب کرنے آئے ہو؟ صبح نہیں آسکتے تھے؟“

چچا نے کہا۔ ”میری بیٹی شام سے لاپتا ہے۔ سب ہی اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔ ہم آپ کی مدد حاصل کرنے آئے ہیں۔“

”میں کیا مدد کروں؟ کیا اس اندھیری رات میں تمہاری بیٹی کو ڈھونڈنے نکلوں؟“

پھوپھا نے کہا۔ ”جواد صاحب! یوں غیروں کی طرح تو نہ بولیں۔ آپ اور ہم جانتے ہیں کہ ہمارے درمیان کیسا پکا لین دین رہتا ہے۔“

”میں پولیس والا ہوں، بہت جلد بھول جاتا ہوں۔ پھر لین دین شروع ہوگا تو یاد آجائے گا۔“

”بس یوں سمجھیں کہ شروع ہوگیا ہے۔ کسی بھی طرح میری بیٹی کو ڈھونڈ نکالیں اور اس مجرم کو ہمارے سامنے ڈال دیں۔ ہمارے بیٹے اسے اور اس کے پورے خاندان کو خاک میں ملادیں گے۔“

”وہ تینوں کتنے سورما ہیں، یہ میں جانتا ہوں۔ تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ اسے اغوا کیا گیا ہے؟ ہوسکتا ہے وہ کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہو؟“

”ایسی باتیں نہ کریں۔ ہماری بیٹی بڑی شرم والی ہے۔ کوئی اسے زبردستی اٹھا کرلے گیا ہے۔“

”تم لوگوں کا ایک ہی دشمن ہے اور وہ ہے بلال۔۔۔“

چچا نے کہا۔ ”وہ اوکاڑہ میں ہے۔ کل ثبوت اور گواہوں کے ساتھ آئے گا۔ خود کو بے گناہ ثابت کرے گا۔ ہمیں یقین ہورہا ہے، ہم سے دشمنی کرنے والا کوئی اور ہے۔“

”تم نے اور تمہارے بیٹے نے کسی کو دشمن بنایا ہوگا۔ کسی کی بہن کو برباد کیا ہوگا تو دشمن کی طرف سے بھی جوابی کارروائی ہورہی ہے۔“

”یہ آپ کیسی باتیں کررہے ہیں؟“

”جو اس چک میں ہوچکا ہے، وہی کہہ رہا ہوں۔ ایک دلہن کے ساتھ زیادتی ہوچکی ہے۔ اس کے چار بھائی وہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے دماغوں میں یہ بات سمائی ہوگی کہ شکوریا نے ان کی بہن کو خراب کیا ہے اس لیے انہوں نے اس کی بہن کو اٹھالیا۔“

”نہیں۔ دلہن کے چاروں بھائی ہمارے بیٹوں کے ساتھ ہیں۔ وہ بھی شینا کو تلاش کررہے ہیں۔“

جواد نے کہا۔ ”میں نہیں مانتا۔ میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ چوروں کو بھی پہرے داری کرتے دیکھا ہے۔ قاتلوں کو مقتول کی لاش پر ماتم کرتے پکڑا ہے۔ تمہاری بیٹی کے مجرم کو بھی پکڑ سکتا ہوں۔“

”اسی لیے تو ہم آئے ہیں۔ آپ ضرور اس کی گردن دبوچ لیں گے۔ ہماری شینا واپس آجائے گی۔“

چچا نے ایک رومال میں لپٹا ہوا نذرانہ پیش کیا۔ جواد نے کہا۔ ”اتنے سے رومال میں دس پندرہ ہزار سے زیادہ نہیں ہوں گے۔“

چچا نے کہا۔ ”جی ہاں۔ چائے پینے کے لیے دس ہزار ہیں۔“

وہ حقارت سے بولا۔ ”کیا بھیک دینے آئے ہو؟ ایک لاکھ سے کم نہیں لوں گا۔ وہ بھی اس شرط پر کہ وہ تینوں سچ بولیں گے کہ دلہن کے پاس کون گیا تھا؟“

”آپ تو اسی ایک بات کو پکڑے بیٹھے ہیں۔ دلہن کے معاملے پر مٹی ڈالیں۔ یہ یقین کرلیں کہ وہ حرکت بلال نے کی تھی۔“

وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں فضول باتیں نہیں سنوں گا۔ تمہارے دروازے سے یہ کہہ کر آیا تھا کہ مجھ جیسے تھانے انچارج کو دوست بنایا ہے تو سچ بولو۔ جھوٹ نہ بولو، دھوکا نہ دو۔ میں دھوکا دینے والوں کو قبر تک دوڑا دوڑا کر مارتا ہوں۔“

اس نے ایسا کہتے ہوئے اپنے فون پر روبینہ کے بڑے بھائی کے نمبر پنچ کیے۔ ایک مس کال دے کر فون بند کردیا۔ ادھر روبینہ کے چاروں بھائی ان تینوں اور چک کے درجنوں افراد کے ساتھ کھیتوں میں اور آس پاس کی چھوٹی بستیوں میں شینا کو تلاش کررہے تھے۔

اس نے مس کال پر جواد کا نام پڑھتے ہی کال کاٹ دی۔ پھر شکوریا سے کہا۔ ”شینا واپس مل سکتی ہے۔ ابھی فون پر میرے چھوٹے بھائی نے کہا ہے کہ تمہاری بہن اس کے پاس ہے۔“

شکوریا کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ اس نے فوراً ہی بندوق

تان لی۔ روبینہ کے بھائی نے کہا۔ ”ادھر گولی چلاؤ گے۔ ادھر بہن کی عزت کا جنازہ نکلے گا۔ پھر کیا ثبوت ہے کہ وہ ہمارے پاس ہے؟“

”ابھی تو تم کہہ رہے ہو؟“

”سب کے سامنے نہیں کہوں گا۔ اسی طرح قسمیں کھا کر انکار کرتا رہوں گا۔ جیسا تم لوگ میری بہن کے ساتھ زیادتی کرنے کے بعد انکار کرتے رہے ہو۔“

”ہم قسم کھا کر کہتے ہیں، ہم نے تمہاری بہن کو ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔“

”ہاتھ لگانے کے لیے کسی دوسرے کو بھیجا تھا۔ بڑی سے بڑی قسم کھا کر بولو گے، تب بھی ہم یقین نہیں کریں گے۔“

شکوریا سر گھما کر دور تک دیکھنے لگا۔ قریب کوئی نہیں تھا۔ شینا کو تلاش کرنے کے لیے سب ادھر ادھر چلے گئے تھے۔ دور ٹارچ کی روشنیاں جل بجھ رہی تھیں۔

روبینہ کے بڑے بھائی نے کہا۔ ”بہتر ہے واپس چلو اور یہ یاد رکھو کہ ہم سے کوئی اقبالِ جرم نہیں کرا سکے گا۔ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔“

شکوریا نے اس سے ذرا دور جا کر اپنے باپ کو فون پر مخاطب کیا۔ ”ابا! تو کہاں ہے؟“

جواب ملا۔ ”میں تھانے میں جواد صاحب کے سامنے بیٹھا ہوں۔“

”فون جواد صاحب کو دے۔ میں بات کروں گا۔“

چند لمحوں کے بعد تھانے دار کی آواز سنائی دی۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”تو بہن کا سراغ مل گیا ہے؟ مجرم سامنے آ گیا ہے؟“

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ”آپ کیسے جانتے ہیں؟“

”ملک الموت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کسی بھی وقت موت لے آتا ہے۔ تھانے دار کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کسی بھی وقت کسی کی بھی شامت بن جاتا ہے۔ روبینہ کے بھائی تم لوگوں کو پہچان گئے ہیں۔ اپنی بہن کا انتقام لینا چاہیں گے۔ ابھی تو شینا کو صرف اغوا کیا ہے۔ بعد میں پتا نہیں اس کا کیا حشر کریں گے؟ میں اس لڑکی کو واپس لا سکتا ہوں۔ اس سے پہلے وہاں ایک بھی گولی نہ چلے۔ ورنہ تم لوگوں کو بھاگنے اور منہ چھپانے کا موقع نہیں ملے گا۔ میں چک میں آ رہا ہوں۔“

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔

☆☆☆

دائی ماں کا بیٹا مقبول چوری کے مال سمیت پکڑا گیا تھا۔ وہ دس ہزار کا مال تھا۔ تھانے دار جواد نے اس کی خوب پٹائی کی تھی۔ دائی ماں اور اس کی بہو مینا اس کے لیے رحم کی بھیک مانگتی رہیں۔

جواد نے کہا۔ ”میرا ایک کام کرو گی تو مقبول کے خلاف کیس نہیں بناؤں گا۔ ورنہ حوالات میں مار مار کر ہی جان نکال دوں گا۔ پھر لمبی سزا کے لیے جیل بھیج دوں گا۔“

دائی ماں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ”میرے بیٹے کو چھوڑ دو۔ آپ جو کرنے کو کہو گے، ہم وہ کریں گے۔“

جواد نے پوچھا۔ ”تو شکوریا کی بہن کو جانتی ہے؟“

”جانتی ہوں اس کا نام شینا ہے۔ پورے خاندان کو جانتی ہوں۔“

”آج رات اسے کسی بھی طرح ٹوٹی ہوئی پلیا کے پاس لے آ اور اتنی ہوشیاری سے لا کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ وہ میرے آدمیوں کے قابو میں آئے گی تو اسی وقت تیرے بیٹے کو چھوڑ دوں گا۔“

مینا نے کہا۔ ”ہم یہ کام کر دیں گے لیکن بعد میں شینا واپس آئے گی تو اس کے بھائی ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“

وہ بولا۔ ”جو میرا کام کرتے ہیں، میں ان پر کوئی آنچ نہیں آنے دیتا۔ کوئی تم پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔“

دائی ماں نے کہا۔ ”پورے چک والے ہم سے ناراض ہو جائیں گے۔ پھر کوئی ہمیں اپنے گھر میں گھسنے نہیں دے گا۔“

”تم آج کے بعد تھانے کی مخبر کہلاؤ گی تو کوئی تمہارے سامنے دم نہیں مارے گا۔ سب ہی تم سے ڈرے سہمے رہیں گے اور تمہیں سلام کریں گے۔“

”پھر تو میں سوچتی ہوں کہ کس طرح اسے ٹوٹی ہوئی پلیا کے پاس لا سکوں گی۔“

مینا نے کہا۔ ”اماں! کچھ سوچنا نہیں پڑے گا۔ باراتیوں میں ایک بہت ہی گبرو جوان ہے۔ اس کا نام سلامت ہے۔ شینا کا چکر اس سے چل رہا ہے۔ کل رات اس نے مجھے ایک چٹھی دی تھی۔ میں نے وہ سلامت کے پاس پہنچا دی تھی۔ پھر اس کی جوابی چٹھی شینا کو لا کر دی تھی۔“

جواد تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ”تم سلامت سے ملو اور کہو کہ شینا سے پلیا پر ملنے کے لیے اسے چٹھی لکھے پھر وہ ضرور اس سے ملنے جائے گی۔“

دائی ماں نے کہا۔ ”سلامت چٹھی لکھے گا تو وہ بھی اس سے ملنے وہاں آئے گا۔“

”آنے دو۔ یہ ہمارے لیے اچھا ہے۔ ہم میں سے کسی پر الزام نہیں آئے گا کہ اسے اغوا کرایا گیا ہے۔ میں ان دونوں کو پلیا کے پاس بدکاری کے الزام میں گرفتار کر لوں گا۔ بعد میں وہ چک والوں کے سامنے لائے جائیں گے تو کسی سے آنکھ ملا کر بات کرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔“

تھانے دار سمجھ رہا تھا کہ شینا کو اغوا کرانے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔ مگر خلافِ توقع یہ معاملہ انتہائی آسان ہو گیا۔ دوپہر کو مینا سلامت کے پاس گئی۔ اس سے کہا۔ ”شینا تم سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہے۔ پر ایک لڑکی خود ملنے کی بات نہیں کرے گی۔ تم اس سے ملنے کے لیے ایک چٹھی لکھو۔“

سلامت نے خط لکھ دیا۔ مینا نے اسے شینا کے پاس پہنچایا۔۔۔ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔۔۔ کے مصداق شینا نے جواباً لکھ دیا کہ وہ رات کو ملنے آئے گی۔ ملاقات کے لیے جگہ بھی مقرر ہو گئی۔ پھر طے شدہ پروگرام کے مطابق دائی ماں اور مینا رات کے نو بجے ماما جی کے گھر گئیں۔ شینا ان کا انتظار کر رہی تھی۔ ماما جی نے اسے دائی ماں کے ساتھ گھر جانے کی اجازت دے دی۔

یوں بات بن گئی۔ دائی ماں اور مینا اسے پلیا تک پہنچانے گئیں۔ وہاں سلامت اس کا منتظر تھا۔ جواد اور اس کے سپاہی بھی ان کے انتظار میں چھپے ہوئے تھے۔ جب وہ ساس بہو وہاں سے چلی گئیں اور دو دلوں کا ملاپ ہونے لگا تو سپاہیوں نے آ کر انہیں گھیر لیا۔ جواد نے ان پر ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے پوچھا۔ ”یہاں اندھیرے میں کیا ہو رہا ہے؟“

پھر اس نے شینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اچھا تو تم شکوریا کی بہن ہو؟ جوانی کا بخار اتارنے آئی ہو اور تم کون ہو؟“

سلامت یوں پکڑے جانے کے باعث ایک دم گھبرا گیا۔ اس نے کہا۔ ”میں جاکھے کا براتی ہوں۔ میرا نام سلامت علی ہے۔ ہمیں جانے دیں جناب عالی۔۔۔! ہماری عزت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ہم ایسی غلطی پھر کبھی نہیں کریں گے۔“

شینا نے منہ پر دوپٹا ڈال لیا تھا۔ خود کو چھپا رہی تھی۔ رونے کے انداز میں بولی۔ ”جواد صاحب! آپ ہمارے پورے خاندان کو اچھی جانتے ہیں۔ ہمارے محسن بھی ہیں۔ مجھ پر احسان کریں۔ مجھے چھپ کر جانے دیں۔ آپ کارروائی کریں گے تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔“

وہ مسکرا کر بولا۔ ”تم دونوں خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو۔ ملنے آئے ہو تو اچھی طرح ملو، پر یہ جگہ اچھی نہیں ہے۔ ہماری طرح کوئی بھی ادھر آ سکتا ہے۔ حوالات میں کوئی نہیں آئے گا۔ وہاں صبح تک مستیاں کرتے رہو۔ جس کام کے لیے آئے ہو، اسے ضرور کرو۔“

ان دونوں کو حوالات میں پہنچا دیا گیا۔ شینا رو رہی تھی۔ سلامت نے کہا۔ ”اوکاڑہ میں میری ایک چھوٹی سی دکان ہے۔ میں غریب ہوں۔ پھر بھی دس ہزار دوں گا۔ مجھے جانے دیں۔“

”کیا اپنی معشوق کو چھوڑ کر جاؤ گے؟“

وہ بولا۔ ”ایک بڑے گھرانے میں میری بہن کا رشتہ ہو چکا ہے۔ میں گناہ کرتا ہوا پکڑا جاؤں گا تو رشتے سے انکار ہو جائے گا۔ میری بہن کا گھر بننے سے پہلے ہی ٹوٹ جائے گا۔“

وہ بولا۔ ”شینا بھی کسی کی بہن ہے۔ اس کے ساتھ منہ کالا کرتے وقت تم نے اپنی بہن کے بارے میں کیوں نہیں سوچا؟ اور جب نہیں سوچا تو اب کیوں سوچ رہے ہو؟“

پھر وہ شینا سے بولا۔ ”تمہیں بدنام ہونے سے صرف میں ہی بچا سکتا ہوں۔ اگر نیک نامی چاہتی ہو تو یہ بیان لکھ دو کہ جاکھے کی دلہن کے ساتھ تمہارے بھائی نے زیادتی کی ہے۔“

وہ جلدی سے بولی۔ ”میں قسم کھا کر کہتی ہوں۔ میرا بھائی گناہ گار نہیں ہے۔“

”اسی طرح قسم کھا کر کہہ دو کہ واردات کس نے کی تھی؟ یہ بات تو پکی ہے کہ تم اسے جانتی ہو۔ کیونکہ وہ شکوریا، کا چھی یا بابا سو میں سے کوئی ایک ہے۔“

”میں اپنی ماں کی قسم کھا کر کہتی ہوں۔“

”جتنی قسمیں یاد ہیں، سناتی رہو مگر یہ بات سب ہی کی سمجھ میں آ رہی ہے کہ بلال کو بدنام کرنے کے لیے وہ واردات ان تینوں نے کی ہے یا کسی سے کرائی ہے۔“

وہ ذرا چپ رہی۔ بے چینی سے پہلو بدلتی رہی۔ کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”آپ یقین کریں، میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ یہ مردوں کے معاملات ہیں۔ وہ لوگ گھر سے باہر کیا کرتے ہیں؟ گھر کی عورتوں کو نہیں بتاتے۔ مگر میں سچ کہتی ہوں، وہ تینوں بے قصور ہیں۔“

جواد نے ایک الٹا ہاتھ منہ پر رسید کیا۔ اس کے منہ

تان لی۔ روبینہ کے بھائی نے کہا۔ ”ادھر گولی چلاؤ گے۔ ادھر بہن کی عزت کا جنازہ نکلے گا۔ پھر کیا ثبوت ہے کہ وہ ہمارے پاس ہے؟“

”ابھی تو تم کہہ رہے ہو؟“

”سب کے سامنے نہیں کہوں گا۔ اسی طرح قسمیں کھا کرانکار کرتا رہوں گا۔ جیسا تم لوگ میری بہن کے ساتھ زیادتی کرنے کے بعد انکار کرتے رہے ہو۔“

”ہم قسم کھا کر کہتے ہیں، ہم نے تمہاری بہن کو ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔“

”ہاتھ لگانے کے لیے کسی دوسرے کو بھیجا تھا۔ بڑی سے بڑی قسم کھا کر بولو گے، تب بھی ہم یقین نہیں کریں گے۔“

شکوریا سر گھما کر دور تک دیکھنے لگا۔ قریب کوئی نہیں تھا۔ شینا کو تلاش کرنے کے لیے سب ادھر ادھر چلے گئے تھے۔ دور ٹارچ کی روشنیاں جل بجھ رہی تھیں۔

روبینہ کے بڑے بھائی نے کہا۔ ”بہتر ہے واپس چلو اور یہ یادرکھو کہ ہم سے کوئی اقبالِ جرم نہیں کرا سکے گا۔ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔“

شکوریا نے اس سے ذرا دور جا کر اپنے باپ کو فون پر مخاطب کیا۔ ”ابا! تو کہاں ہے؟“

جواب ملا۔ ”میں تھانے میں جواد صاحب کے سامنے بیٹھا ہوں۔“

”فون جواد صاحب کو دے۔ میں بات کروں گا۔“

چند لمحوں کے بعد تھانے دار کی آواز سنائی دی۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”تو بہن کا سراغ مل گیا ہے؟ مجرم سامنے آگیا ہے؟“

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ”آپ کیسے جانتے ہیں؟“

”ملک الموت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کسی بھی وقت موت لے آتا ہے۔ تھانے دار کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کسی بھی وقت کسی کی بھی شامت بن جاتا ہے۔ روبینہ کے بھائی تم لوگوں کو پہچان گئے ہیں۔ اپنی بہن کا انتقام لینا چاہیں گے۔ ابھی تو شینا کو صرف اغوا کیا ہے۔ بعد میں پتا نہیں اس کا کیا حشر کریں گے؟ میں اس لڑکی کو واپس لاسکتا ہوں۔ اس سے پہلے وہاں ایک بھی گولی نہ چلے۔ ورنہ تم لوگوں کو بھاگنے اور منہ چھپانے کا موقع نہیں ملے گا۔ میں چک میں آرہا ہوں۔“

اس نے رابطہ ختم کردیا۔

☆☆☆

دائی ماں کا بیٹا مقبول چوری کے مال سمیت پکڑا گیا تھا۔ وہ دس ہزار کا مال تھا۔ تھانے دار جواد نے اس کی خوب پٹائی کی تھی۔ دائی ماں اور اس کی بہو مینا اس کے لیے رحم کی بھیک مانگتی رہیں۔

جواد نے کہا۔ ”میرا ایک کام کروگی تو مقبول کے خلاف کیس نہیں بناؤں گا۔ ورنہ حوالات میں مار مار کر ہی جان نکال دوں گا۔ پھر لمبی سزا کے لیے جیل بھیج دوں گا۔“

دائی ماں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ”میرے بیٹے کو چھوڑ دو۔ آپ جو کرنے کو کہو گے، ہم وہ کریں گے۔“

جواد نے پوچھا۔ ”تو شکوریا کی بہن کو جانتی ہے؟“

”جانتی ہوں اس کا نام شینا ہے۔ پورے خاندان کو جانتی ہوں۔“

”آج رات اسے کسی بھی طرح ٹوٹی ہوئی پلیا کے پاس لے آ اور اتنی ہوشیاری سے لا کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ وہ میرے آدمیوں کے قابو میں آئے گی تو اسی وقت تیرے بیٹے کو چھوڑ دوں گا۔“

مینا نے کہا۔ ”ہم یہ کام کردیں گے لیکن بعد میں شینا واپس آئے گی تو اس کے بھائی ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“

وہ بولا۔ ”جو میرا کام کرتے ہیں، میں ان پر کوئی آنچ نہیں آنے دیتا۔ کوئی تم پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔“

دائی ماں نے کہا۔ ”پورے چک والے ہم سے ناراض ہوجائیں گے۔ پھر کوئی ہمیں اپنے گھر میں گھسنے نہیں دے گا۔“

”تم آج کے بعد تھانے کی مخبر کہلاؤ گی تو کوئی تمہارے سامنے دم نہیں مارے گا۔ سب ہی تم سے ڈرے سہمے رہیں گے اور تمہیں سلام کریں گے۔“

”پھر تو میں سوچتی ہوں کہ کس طرح اسے ٹوٹی ہوئی پلیا کے پاس لاسکوں گی۔“

مینا نے کہا۔ ”اماں! کچھ سوچنا نہیں پڑے گا۔ باراتیوں میں ایک بہت ہی گبرو جوان ہے۔ اس کا نام سلامت ہے۔ شینا کا چکر اس سے چل رہا ہے۔ کل رات اس نے مجھے ایک چٹھی دی تھی۔ میں نے وہ سلامت کے پاس پہنچا دی تھی۔ پھر اس کی جوابی چٹھی شینا کو لا کر دی تھی۔“

جواد تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ”تم سلامت سے ملو اور کہو کہ شینا سے پلیا پر ملنے کے لیے اسے چٹھی لکھے پھر وہ ضرور اس سے ملنے جائے گی۔“

دائی ماں نے کہا۔ ”سلامت چٹھی لکھے گا تو وہ بھی اس سے ملنے وہاں آئے گا۔“

”آنے دو۔ یہ ہمارے لیے اچھا ہے۔ ہم میں سے کسی پر الزام نہیں آئے گا کہ اسے اغوا کرایا گیا ہے۔ میں ان دونوں کو پلیا کے پاس بدکاری کے الزام میں گرفتار کرلوں گا۔ بعد میں وہ چک والوں کے سامنے لائے جائیں گے تو کسی سے آنکھ ملا کر بات کرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔“

تھانے دار سمجھ رہا تھا کہ شینا کو اغوا کرانے میں بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔ مگر خلاف توقع یہ معاملہ انتہائی آسان ہوگیا۔ دوپہر کو مینا سلامت کے پاس گئی۔ اس سے کہا۔ ”شینا تم سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہے۔ پر ایک لڑکی خود ملنے کی بات نہیں کرے گی۔ تم اس سے ملنے کے لیے ایک چٹھی لکھو۔“

سلامت نے خط لکھ دیا۔ مینا نے اسے شینا کے پاس پہنچایا۔۔۔ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔۔۔ کے مصداق شینا نے جواباً لکھ دیا کہ وہ رات کو ملنے آئے گی۔ ملاقات کے لیے جگہ بھی مقرر ہوگئی۔ پھر طے شدہ پروگرام کے مطابق دائی ماں اور مینا رات کے نو بجے ماما جی کے گھر گئیں۔ شینا ان کا انتظار کررہی تھی۔ ماما جی نے اسے دائی ماں کے ساتھ گھر جانے کی اجازت دے دی۔

یوں بات بن گئی۔ دائی ماں اور مینا اسے پلیا تک پہنچانے گئیں۔ وہاں سلامت اس کا منتظر تھا۔ جواد اور اس کے سپاہی بھی ان کے انتظار میں چھپے ہوئے تھے۔ جب وہ ساس بہو وہاں سے چلی گئیں اور دو دلوں کا ملاپ ہونے لگا تو سپاہیوں نے آکر انہیں گھیر لیا۔ جواد نے ان پر ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے پوچھا۔ ”یہاں اندھیرے میں کیا ہورہا ہے؟“

پھر اس نے شینا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اچھا تو تم شکوریا کی بہن ہو؟ جوانی کا بخار اتارنے آئی ہو اور تم کون ہو؟“

سلامت یوں پکڑے جانے کے باعث ایک دم گھبرا گیا۔ اس نے کہا۔ ”میں جاکھے کا براتی ہوں۔ میرا نام سلامت علی ہے۔ ہمیں جانے دیں جناب عالی۔۔۔! ہماری عزت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ہم ایسی غلطی پھر کبھی نہیں کریں گے۔“

شینا نے منہ پر دوپٹا ڈال لیا تھا۔ خود کو چھپا رہی تھی۔ رونے کے انداز میں بولی۔ ”جواد صاحب! آپ ہمارے پورے خاندان کو اچھی جانتے ہیں۔ ہمارے محسن بھی ہیں۔ مجھ پر احسان کریں۔ مجھے چھپ کر جانے دیں۔ آپ کارروائی کریں گے تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔“

وہ مسکرا کر بولا۔ ”تم دونوں خواہ مخواہ پریشان ہورہے ہو۔ ملنے آئے ہو تو اچھی طرح ملو، پر یہ جگہ اچھی نہیں ہے۔ ہماری طرح کوئی بھی ادھر آسکتا ہے۔ حوالات میں کوئی نہیں آئے گا۔ وہاں صبح تک مستیاں کرتے رہو۔ جس کام کے لیے آئے ہو، اسے ضرور کرو۔“

ان دونوں کو حوالات میں پہنچا دیا گیا۔ شینا رو رہی تھی۔ سلامت نے کہا۔ ”اوکاڑہ میں میری ایک چھوٹی سی دکان ہے۔ میں غریب ہوں۔ پھر بھی دس ہزار دوں گا۔ مجھے جانے دیں۔“

”کیا اپنی معشوق کو چھوڑ کر جاؤ گے؟“

وہ بولا۔ ”ایک بڑے گھرانے میں میری بہن کا رشتہ ہوچکا ہے۔ میں گناہ کرتا ہوا پکڑا جاؤں گا تو رشتے سے انکار ہوجائے گا۔ میری بہن کا گھر بننے سے پہلے ہی ٹوٹ جائے گا۔“

وہ بولا۔ ”شینا بھی کسی کی بہن ہے۔ اس کے ساتھ منہ کالا کرتے وقت تم نے اپنی بہن کے بارے میں کیوں نہیں سوچا؟ اور جب نہیں سوچا تو اب کیوں سوچ رہے ہو؟“

پھر وہ شینا سے بولا۔ ”تمہیں بدنام ہونے سے صرف میں ہی بچا سکتا ہوں۔ اگر نیک نامی چاہتی ہو تو یہ بیان لکھ دو کہ جاکھے کی دلہن کے ساتھ تمہارے بھائی نے زیادتی کی ہے۔“

وہ جلدی سے بولی۔ ”میں قسم کھا کر کہتی ہوں۔ میرا بھائی گناہ گار نہیں ہے۔“

”اسی طرح قسم کھا کر کہہ دو کہ واردات کس نے کی تھی؟ یہ بات تو پکی ہے کہ تم اسے جانتی ہو۔ کیونکہ وہ شکوریا، کاچھی یا بابا سو میں سے کوئی ایک ہے۔“

”میں اپنی ماں کی قسم کھا کر کہتی ہوں۔“

”جتنی قسمیں یاد ہیں، سناتی رہو مگر یہ بات سب ہی کی سمجھ میں آرہی ہے کہ بلال کو بدنام کرنے کے لیے وہ واردات ان تینوں نے کی ہے یا کسی سے کرائی ہے۔“

وہ ذرا چپ رہی۔ بے چینی سے پہلو بدلتی رہی۔ کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”آپ یقین کریں، میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ یہ مردوں کے معاملات ہیں۔ وہ لوگ گھر سے باہر کیا کرتے ہیں؟ گھر کی عورتوں کو نہیں بتاتے۔ مگر میں سچ کہتی ہوں، وہ تینوں بے قصور ہیں۔“

جواد نے ایک الٹا ہاتھ منہ پر رسید کیا۔ اس کے منہ

سے چیخ نکل گئی۔ وہ رونے لگی۔ اس نے کہا۔ ’’ہم پولیس والے عورتوں پر ہاتھ بھی اٹھاتے ہیں اور ہاتھ صاف بھی کرتے ہیں۔ جب میرے بعد میرے سپاہی بھی تیرا آپریشن کریں گے تو تُو چیخ چیخ کر سچ بولنا شروع کردے گی۔‘‘

سلامت کو حوالات کی دوسری کوٹھری میں رکھا گیا تھا۔ وہاں اس کی تلاشی لی گئی تو شینا کی لکھی ہوئی چٹھی ملی جس میں اس نے لکھا تھا کہ رات کو اس سے ملنے آئے گی۔ دوسرے کمرے میں جواد نے شینا کو ٹٹولتے ہوئے کہا۔ ’’مجھے تلاشی لینے دے۔‘‘

وہ اس سے کترانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ ’’مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔‘‘

وہ اسے دبوچتے ہوئے بولا۔ ’’تیرے پاس تو خزانے ہیں۔‘‘

اس نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر وہ چٹھی نکالی۔ جس میں سلامت نے لکھا تھا کہ وہ آج رات اس سے ٹوٹی ہوئی پلیا کے پاس ملنا چاہتا ہے۔ یوں دونوں تحریریں بڑے کام کی تھیں۔ جواد پر کوئی الزام آنے والا نہیں تھا۔ وہ دونوں چٹھیاں ثابت کرتی تھیں کہ اسے اغوا نہیں کیا گیا تھا۔ وہ اپنی مرضی سے اپنے یار کے ساتھ بھاگنے کے لیے گھر سے نکلی تھی۔

اس سارے کھیل میں روبینہ کے مجرم کو بے نقاب کرنا ضروری تھا اور ابھی تک بات نہیں بن رہی تھی۔ جواد نے اسے بازوؤں میں جکڑ کر پوچھا۔ ’’عزت سے واپس جانا چاہتی ہے یا نہیں؟‘‘

وہ اس کی گرفت سے نکلنے کی کوششیں کرتے ہوئے بولی۔ ’’مجھے چھوڑ دو۔ خدا جانتا ہوں ہے، میں سلامت کے پاس محبت سے کچھ باتیں کرنے آئی تھی۔ ایک ذرا گناہ کا خیال بھی نہیں تھا۔ میں بے حیائی برداشت نہیں کرسکوں گی۔ خدا کی قسم مرجاؤں گی۔ مجھے برباد نہ کرو۔‘‘

’’دلہن کے ساتھ جو بے حیائی ہوئی، اسے دیکھ کر خوش ہوتی رہی کیونکہ بلال پر الزام آرہا تھا۔ بہرحال مجھے بلال سے کچھ لینا نہیں ہے۔ ایسی ہی شرم والی ہے تو ان تینوں کے خلاف سچ بول۔ میں وعدہ کرتا ہوں، تجھے کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا۔ تُو عزت آبرو سے گھر جائے گی۔‘‘

اس نے شینا کو چھوڑ دیا پھر کہا۔ ’’میں صبح تک سوچنے سمجھنے کا وقت دے رہا ہوں۔ اگر سچ نہیں بولے گی۔ تحریری بیان نہیں دے گی تو تیری آبرو کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے نکلے گا۔‘‘

وہ اسے دھمکی دے کر سونے کے لیے چلا گیا۔ اس تھانے میں کل چار سپاہی تھے۔ ایک اپنے گھر میں بیمار پڑا تھا۔ باقی تین میں سے دو سو گئے۔ ایک پہرے داری کے لیے جاگتا رہا۔ شینا اور سلامت کو الگ الگ کمروں میں رکھا گیا تھا۔ انہیں اتنی چالاکی اور مکاری نہیں آتی تھی کہ ایک سپاہی کو دھوکا دے کر فرار ہوجاتے۔ وہ صرف دعائیں مانگ رہے تھے کہ نصیب پھر جائے اور انہیں عزت سے رہائی مل جائے۔

ایسے حالات میں عورت کی آبرو ہمیشہ لوٹی جاتی ہے۔ شینا سمجھ گئی تھی کہ جواد اسے نہیں چھوڑے گا اور سلامت کے ساتھ بدکاری کے جرم میں پورے چک والوں کے سامنے، برادری کے سامنے کیچڑ اچھالے گا۔ پھر حدود آرڈیننس کے تحت اسے سزا دلائے گا۔

وہ کوٹھری کے فرش پر بیٹھی رو رہی تھی۔ اگرچہ میری دشمن تھی مگر شرم والی تھی۔ اس کے اندر خاندانی شرافت اور خودداری تھی۔ اگر اس کے ساتھ زیادتی ہوتی تو وہ کسی کو منہ دکھانے سے پہلے ہی جان پر کھیل جاتی۔

ایسی خودداری اور شرافت کے باوجود اس نے آج شام کو ہی مجھ پر کیچڑ اچھالی تھی کہ میں اس سے گندی باتیں کر رہا ہوں اور اسے بھگا کر لے جانا چاہتا ہوں۔ ایسا شرمناک الزام لگاتے وقت اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ میرے ساتھ نہ سہی، کسی دوسرے کے ساتھ بھاگنے کا الزام اس پر آئے گا اور اس کی شرم و حیا بدنامی کے چولھے پر چڑھا دی جائے گی۔ اس وقت وہ حوالات کے فرش پر نہیں چولھے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ تھانے دار آکر چولھا گرم کرنے والا تھا۔

ان لمحات میں وہ لٹ جانے والی دلہن کے متعلق سوچ رہی تھی۔ جب روبینہ کے نام کے ساتھ میری بدنامی ہو رہی تھی تو وہ بہت خوش تھی۔ اب ایسا ہی زخم اسے لگنے والا تھا۔

اپنا گھر جلنے والا تھا۔ اس لیے ابھی سے جلن سمجھا رہی تھی کہ وہ پچھلی غلطیوں کا حساب کرے۔ کان پکڑے، توبہ کرے۔ اگر میں سامنے آجاؤں تو مجھ سے معافی مانگے۔ شاید توبہ کرنے سے اللہ اسے معاف کردے اور اسے وہاں سے نجات مل جائے۔

جب غلطیوں پر غلطیاں ہوتی چلی جاتی ہیں اور پانی سر سے گزر جاتا ہے، تب کوئی مدد کے لیے نہیں آتا۔ تقدیر بھی کہتی ہے کہ اپنے اعمال کی سزا ابھی ملے گی اور اسی جگہ ملے گی۔ وہ منہ پر آنچل رکھ کر رو رہی تھی۔ یوں آدھا چہرہ چھپا ہوا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کہاں جاکر مرجائے؟ اور ہمیشہ کے لیے منہ چھپالے۔

رات کے دو بجے دو سپاہیوں نے آ کر اس کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ دیے۔ منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ تا کہ حلق سے آواز نہ نکال سکے۔ پھر ایک نے کہا۔ ''تیرا باپ اور تیرا پھوپھا آیا ہے۔ ان کو یہ نہیں بتایا جائے گا کہ تو یہاں پڑی ہوئی ہے۔ جب کہ مکا ہو جائے گا تو تجھے بھی مکتی مل جائے گی۔''

وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگی کہ اس کے بزرگ اسے ہر قیمت پر تھانے دار کے ہوس ناک ارادوں سے بچا کر لے جائیں۔ اگر باپ کو معلوم ہوتا کہ بیٹی کو جبراً حبسِ بے جا میں رکھا گیا ہے تو وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر اسے وہاں سے لے جاتا۔

مگر جواد ان تینوں میں سے کسی کو دلہن کے ساتھ بدکاری کے الزام میں جکڑنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے وہ ایک طرف شینا کو مجبور کر رہا تھا اور دوسری طرف جاکھا اور دلہن کے بھائیوں کے ذریعے ان تینوں کو ٹریپ کر رہا تھا۔ اب انہیں مختلف پہلوؤں سے مجبور کر کے ان سے اقبال جرم کرانا رہ گیا تھا۔

ایسا کرنے کے لیے اسے تھانہ چھوڑ کر چک جانا تھا۔ وہاں دلہن دولھا والوں اور پنچوں کے درمیان ان تینوں کا محاسبہ کرنا تھا۔ تھانے میں تین سپاہی تھے۔ جواد نے ایک سے کہا۔ ''تم یہاں شینا اور سلامت کی نگرانی کرو گے۔ ان کے دروازوں پر تالے لگے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ انہیں یہاں رکھا گیا ہے۔ ادھر کوئی نہیں آئے گا پھر بھی ہماری واپسی تک چوکنا رہنا۔''

وہ ایک سپاہی کو ہدایات دے کر دو سپاہیوں کے ساتھ چک روانہ ہو گیا۔ میرے چچا اور پھوپھا بھی اس کے ساتھ تھے۔ انہیں جاتے جاتے ایک ذرا بھی آہٹ نہیں ملی کہ بیٹی اسی تھانے کے پچھلے حصے میں بند پڑی ہے۔

☆☆☆

صبح کے چار بج رہے تھے اور چک کے تمام لوگ جاگ رہے تھے۔ تھانے دار جواد، دلہن اور .... تمام رشتے دار اور پنچائیت کے بزرگ چارپائیوں اور کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ باقی افراد زمین پر بیٹھے یا کھڑے ہوئے تھے اور شکوریا کو دیکھ رہے تھے۔

وہ ایک اونچی جگہ پر کھڑا ہو کے کہہ رہا تھا۔ ''میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں، میں نے کسی کی بہن کے ساتھ زیادتی نہیں کی ہے۔ دلہن روبینہ کے بھائی مجید نے میری بہن شینا کو اغوا کیا ہے۔ وہ کہتا ہے، میں روبینہ کا مجرم ہوں۔ اس لیے وہ معصوم شینا سے انتقام لے رہا ہے۔ اسے کسی جگہ قیدی بنا کر کہہ رہا ہے کہ میں اپنا جرم قبول کر لوں۔ اگر ایسا نہیں کروں گا تو وہ میری بہن کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔''

دلہن کے باپ نے کہا۔ ''مجید کو یہاں آ کر یہ ثابت کرنا چاہیے کہ شکوریا نے اس کی بہن کے ساتھ کچھ غلط کیا ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے گا تو میں اپنے ہاتھوں سے اپنے بیٹے کو قتل کر دوں گا۔''

دلہن کے بڑے بھائی اشرف نے کہا۔ ''ہم اپنے بھائی مجید کی جگہ یہاں موجود ہیں۔ بعض مجرموں کے خلاف کبھی کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ شکوریا، باسو اور کاچھی میں سے کوئی ایک مجرم ہے۔ پر ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اسی طرح ہمارے بھائی مجید کے خلاف بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اس نے شینا کو اغوا کیا ہے۔''

دلہن کے دوسرے بھائی اسد نے کہا۔ ''شینا نہ تو مجید کے پاس ہے، نہ میرے بھائی نے یہ کہا ہے کہ وہ شینا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔''

جواد نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ ''دونوں طرف سے ایک دوسرے کو الزامات دیے جا رہے ہیں۔ اصل مجرم پکڑا نہ گیا تو یہ جھگڑا برسوں تک چلتا رہے گا۔ ایک بات میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ جس طرح شکوریا کو پورا یقین ہے کہ مجید نے اس کی بہن کو اغوا کیا ہے۔ اسی طرح مجید کو بھی کسی شک و شبہے کے بغیر یقین ہے کہ شکوریا، باسو یا کاچھی نے روبینہ کی زندگی برباد کی ہے۔''

شکوریا نے کہا۔ ''ابھی ایک گھنٹا پہلے اشرف نے کھیتوں میں مجھ سے کہا تھا کہ اس کا بھائی مجید ہماری شینا کو اٹھا کر لے گیا ہے۔''

اشرف نے کہا۔ ''یہ جھوٹا ہے۔ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔''

جواد نے کہا۔ ''بس ایک دوسرے کو الزام دیتے رہو اور انکار کرتے رہو۔ اس طرح یہ بات نہیں بنے گی۔ یاد رکھو جس طرح دلہن کی عزت واپس نہیں آ سکتی اسی طرح شینا واپس نہیں آئے گی۔ واپس لانے کے لیے جو بھی مجرم ہے، اسے جرم قبول کرنا پڑے گا۔''

باسو نے کہا۔ ''جو جرم ہم نے کیا ہی نہیں ہے، اسے زبردستی کیسے قبول کر لیں؟''

اشرف نے کہا۔ ''یہ بات پورا گاؤں، پورا علاقہ جانتا ہے کہ بلال سے تم تینوں کی پرانی دشمنی ہے۔ ہمارا دماغ ہمارا تجربہ کہتا ہے کہ بلال کو پاگل، جنونی اور ہوس پرست ثابت کرنے کے لیے اسے ایک انگوٹھی کے ذریعے پھانسنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس انگوٹھی کو صرف باسو نے بلال کے پاس دیکھا تھا۔ کسی اور نے نہیں دیکھا تھا۔ بعد میں وہ انگوٹھی ہماری بہن کی نہیں نکلی۔''

جواد نے کہا۔ ''سیدھی سی سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ شکوریا، کاچھی اور باسو انکار نہیں کر سکتے کہ وہ بلال کے دشمن ہیں۔ میں ایک پولیس افسر ہوں۔ میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ یہ یقین سے کہتا ہوں کہ ان تینوں نے اگر دلہن کے کمرے میں واردات نہیں کی ہے تو کسی سے ضرور کرائی ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں، یہ اس مجرم کو پیش کریں گے تو میں کسی بھی طرح شینا کو واپس لے آؤں گا۔''

حشمت لوگوں کی بھیڑ میں سب سے پیچھے تھا۔ شکوریا، باسو اور کاچھی سے کترا رہا تھا۔ ان کی طرف سے آنے والی موت کا رخ پھیرنے کے لیے اپنے طور پر ایک چال چل چکا تھا۔ نتیجے کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر وہاں اچانک ہی حالات بدل گئے تھے۔ وہ تینوں اپنی بہن کو واپس لانے کے لیے مجبوراً کہہ سکتے تھے کہ واردات انہوں نے نہیں، حشمت نے کی ہے۔

اس وقت جواد ان تینوں سے کہہ رہا تھا۔ ''اگر شینا کو عزت آبرو سے واپس لانا چاہتے ہو تو کسی بحث میں نہ پڑو۔ جو بھی مجرم ہے، اسے چپ چاپ پیش کر دو۔ اگر وہ خطرناک ہے۔ اس سے ڈرتے ہو تو اس کا نام اور پتا خاموشی سے مجھے بتا دو، میں اسے قبر سے بھی نکال لاؤں گا۔ فیصلہ تم تینوں پر اور تمہارے بزرگوں پر ہے۔ اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ شینا کو عزت آبرو سے واپس لانا چاہتے ہو یا نہیں؟''

حشمت وہاں سے پلٹ کر لوگوں کی بھیڑ سے دور آیا۔ پھر اپنا فون نکال کر نمبر پنچ کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد رابطہ ہونے پر جھنجلا کر بولا۔ ''میں رات دس بجے سے کال کر رہا ہوں، تمہارا فون بند کیوں تھا؟''

دوسری طرف سے کہا گیا۔ ''بیٹری ڈاؤن تھی۔ میں کہیں ایک جگہ رہ کر فون کو چارج نہیں کر سکتا تھا۔ آپ نہیں جانتے، یہاں کن حالات سے گزر رہا ہوں؟''

''تم جیسے بھی حالات سے گزر رہے ہو، یہ بتاؤ، میرا کام ہو گیا ہے یا نہیں؟''

''نہیں۔۔۔ ہم نے زرینہ کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ پر پولیس کی نظروں میں آ گئے۔ میرے آدمی اپنی جان بچاتے پھر رہے ہیں۔ میں نے ابھی ایک ہوٹل میں آ کر فون کو چارجر سے لگایا ہے۔ آپ کو بتانے والا تھا کہ وہ ہمارے ہاتھ نہیں آئے گی۔''

''لعنت ہے تم پر۔۔۔''

اس نے غصے سے فون بند کر دیا۔ اس کی ساری پلاننگ خاک میں مل گئی۔ باسو کی بہن زرینہ کا رشتہ طے ہونے والا تھا۔ وہ اپنی پھوپھی کے ساتھ فیصل آباد گئی ہوئی تھی۔ حشمت نے کرائے کے مجرموں کو اچھی خاصی رقم دے کر کہا تھا کہ زرینہ کو اغوا کر کے اپنے خفیہ اڈے لے جائیں۔ وہ دوسرے دن وہاں آئے گا۔

اس نے سوچا تھا، باسو کی بہن کو یرغمال بنا کر انہیں بتائے گا کہ وہ ان کی باتیں چھپ کر سن چکا ہے۔ وہ تینوں اسے قتل کر دینا چاہتے تھے۔ اب نہیں کریں گے۔ اپنی بہن کی عزت و آبرو سے واپسی کے لیے حشمت کی سلامتی چاہیں گے اور پکے کاغذ پر یہ لکھیں گے کہ انہوں نے اسے ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اب ایسا نہیں کریں گے۔ آئندہ اس کے محافظ بن کر رہیں گے۔

وہ اپنے مقصد کے لیے باسو کی بہن زرینہ کو اسی طرح اغوا کرانا چاہتا تھا، جس طرح تھانیدار اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے شینا کو اغوا کرا چکا تھا۔ یہ حشمت کی بدنصیبی تھی کہ وہ کامیاب نہ ہو سکا اب ان تینوں پر حاوی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے برعکس ان تینوں میں سے کسی کے ہاتھوں مارا جانے والا تھا۔

موجودہ حالات کہہ رہے تھے کہ وہ شینا کی واپسی کے لیے اسے تھانے دار اور روبینہ کے بھائیوں کے حوالے کر دیں گے۔

وہ دور کھڑا لوگوں کی بھیڑ کو دیکھ رہا تھا۔ اس بھیڑ میں صرف وہ تین بھائی اس کے جانی دشمن نہیں تھے۔ دلہن روبینہ کے تینوں بھائی بھی کسی وقت اس کی تکا بوٹی کر سکتے تھے۔ بس انہیں اتنی سی بات معلوم ہونی تھی کہ حجلہ عروسی میں جانے والا بدکار حشمت تھا۔

اس نے اپنے فون پر شکوریا کے نمبر پنچ کیے۔ پھر اسے کان سے لگایا۔ چند لمحوں بعد اس کی آواز سنائی دی۔ ''ہیلو حشمت! تم کہاں ہو؟''

''یہ نہ پوچھو کہ میں کہاں ہوں؟ یہ سمجھو کہ ہم سب کس طرح قانونی گرفت میں آنے والے ہیں۔ روبینہ کے بھائی اور جاکھے کے مسلح کارندے ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

اس نے کہا۔ ''تم یہاں آ کر ہم سے بات کرو۔''

”پہلے میری بات سنو اور سمجھو۔ اپنی بہن کو واپس لانے کے لیے مجھے سب کے سامنے بدکار کہو گے۔ مجرم کہو گے تو تم تینوں میرے جرم میں برابر کے شریک کہلاؤ گے۔ کیونکہ تم تینوں ہی چشم دید گواہ ہو۔“

شکوریا نے کہا۔ ”میں سمجھ رہا ہوں۔ یہاں ہم سے پوچھا جائے گا کیا ہم تمہارے جرم میں شریک رہے ہیں؟ ہم نے اسی وقت تمہیں گرفتار کیوں نہ کرایا، جب تم روبینہ کے پاس گئے تھے۔ یہ بھی ثابت ہوگا کہ ہم بلال پر الزام دھرنے کے لیے خاموش تماشائی بنے ہوئے تھے۔“

حشمت نے کہا۔ ”ہاں۔۔۔ میں نے اسی لیے فون کیا ہے کہ اپنی بہن کے اغوا ہونے سے غیرت میں نہ آؤ۔ بہن کی واپسی چاہو گے تو میرے ساتھ تم تینوں بھی حرام موت مرو گے۔ کاچھی اور باسو۔۔۔ اور اپنے بزرگوں سے کہو، میرا نام زبان پر نہ لائیں۔ میں بہت مہنگا پڑوں گا۔ میرے مقابلے میں بہن سستی پڑے گی۔ روبینہ جیسی اور تمہاری بہن جیسی کتنی ہی لڑکیاں برباد ہوتی رہتی ہیں۔ آج ایک نقصان برداشت کرو گے۔ اپنی بہن کو روبینہ کی طرح برباد اور بدنام ہونے دو گے تو اس کے عوض ہم سب کو سلامتی ملے گی۔“

حشمت جو کہہ رہا تھا، وہ ساری باتیں شکوریا کاچھی باسو، میری پھوپھی اور دونوں چچا اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ چشم دید گواہی کے بغیر حشمت کو بدکار نہیں کہا جاسکتا تھا اور وہ تینوں چشم دید گواہ بن کر اس کے جرم میں ذلیل ہونا اور جان سے جانا نہیں چاہتے تھے۔

ان سب نے آخری فیصلہ یہ کیا کہ شینا کے ساتھ جو ہونا تھا، وہ ہو چکا ہوگا۔ اسے واپس لایا جائے گا تو وہ روبینہ کی طرح برباد ہو چکی ہوگی۔ ساری زندگی میکے میں منہ چھپا کر رہے گی۔ اب وہ جس حال میں بھی واپس آئے یا نہ آئے، اس کی خاطر تین جوان بھائی حشمت کا نام زبان پر نہیں لائیں گے۔ کبھی یہ اقرار نہیں کریں گے کہ انہوں نے حجلۂ عروسی میں اس کے ذریعے واردات کرائی تھی۔

شکوریا کے باپ نے تمام چک والوں کے درمیان کھڑے ہو کر کہا۔ ”میرے بیٹے شکوریا نے روبینہ کی صورت بھی نہیں دیکھی ہے اور نہ ہی یہ کسی واردات کرنے والے بدکار کو جانتا ہے۔ کسی ٹھوس ثبوت اور چشم دید گواہ کے بغیر تھانے دار جواد صاحب بھی ہمارے تین بیٹوں کو مجرم کہہ رہے ہیں۔ سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق میری بیٹی کو اغوا کرایا گیا ہے۔ خدا ہی اس کی حفاظت کرے۔ ورنہ وہ کس حال میں واپس آئے گی اور ہماری عزت کس طرح مٹی میں مل چکی ہوگی؟ یہ آپ تمام بہنوں اور بیٹیوں والے شرم سے سر جھکا کر سمجھ سکتے ہیں۔“

شکوریا نے کہا۔ ”میں نے اور میرے بھائی کاچھی اور باسو نے جاکھا کو ہمیشہ اپنا بھائی کہا ہے۔ ہم نے بھائی کی عزت پر ڈاکا ڈالنے کی ذلالت نہیں کی ہے اور نہ ہی ایسی بے حیائی کسی کے ذریعے کرائی ہے۔ میں آپ سب کے سامنے روبینہ کے بھائیوں سے ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں، یہ لوگ انتقام میں اندھے ہو کر میری بہن کو برباد کریں گے اور بعد میں ہماری بے گناہی کا یقین ہوگا تو پھر یہ پچھتائیں گے۔ بعد میں شرمندہ ہونے سے بہتر ہے، میری بہن مجھے واپس کردی جائے۔“

روبینہ کے کسی بھائی نے شینا کو اغوا نہیں کیا تھا۔ انہوں نے قسمیں کھا کر کہہ دیا کہ شینا ان کے پاس نہیں ہے۔ حشمت کو یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ بے نقاب ہونے والا نہیں ہے۔ تھانے دار جواد ہار ماننے والا نہیں تھا۔ ابھی شینا اس کے قبضے میں تھی۔ وہ اس کی زبان سے اس کے بھائیوں کا کچا چٹھا اگلوا سکتا تھا اور ایسا کرنے کے لیے اس کی عزت کی دھجیاں بھی اڑانے والا تھا۔

اس نے تمام لوگوں سے کہا۔ ”یہ بڑے ڈھیٹ ہیں۔ میں آج رات ان کی ڈھٹائی ناک کے راستے نکال دوں گا۔ ان کی بہن یہاں آکر بتائے گی کہ بلال کو بدنام کرنے کے لیے شکوریا، کاچھی اور باسو نے کیسی سازشیں کی تھیں؟ آج دوپہر آپ تمام لوگ اسی جگہ حاضر ہو جائیں۔“

ان تینوں نے اغوا ہونے والی بہن پر اپنی عزت اور سلامتی کو ترجیح دی تھی۔ انہوں نے میرے خلاف کی گئی سازشوں سے اور روبینہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی سے انکار کیا تھا۔ حشمت بھی تھوڑی دیر کے لیے مطمئن ہو گیا تھا۔ لیکن تھانے دار کے چیلنج نے پھر ان سب کا اطمینان غارت کردیا۔

وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ پولیس والا ان کی بہن کو کہاں سے لائے گا؟ اور کس طرح اس کے ذریعے ان کی سازشوں۔۔۔ اور جرم کو سب کے سامنے پیش کرے گا؟

حشمت پھر ان تینوں سے آملا تھا۔ وہ چاروں سر جوڑ کر سوچ رہے تھے۔ سمجھنا چاہتے تھے کہ شینا کو کس نے اغوا کیا ہے؟ کیا تھانے دار بدمعاشی کر رہا ہے؟ کیا وہ جانتا ہے کہ شینا کہاں ہے اور اس سے کس طرح کام لینا چاہیے؟

کاچھی نے کہا۔ ”تھانے دار کی دشمنی مہنگی پڑ رہی ہے۔ وہ ہم سے ناراض ہو کر گیا تھا۔ اب روبینہ کے بھائیوں

کو مہرہ بنا کر ہمارے لیے مصیبتیں لا رہا ہے۔ میں کہتا ہوں، اسے اچھی خاصی رقم دے کر دوست بنالینا چاہیے۔“

شکوریا نے کہا۔ ”وہ روبینہ کے بھائیوں کو ہمارے خلاف بھڑکا کر ان کا ہمدرد اور دوست بن گیا ہے۔ ان سے رقمیں وصول کر رہا ہوگا۔ اب وہ ہمارے کام نہیں آئے گا۔ ہماری صرف ایک کمزوری شینا ہے۔ وہ ہمیں خیر خیریت سے مل جائے اور جواد کے ہتھے نہ چڑھے تو پھر وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔“

حشمت نے پوچھا۔ ”مگر شینا ہے کہاں؟ میری عقل کہتی ہے، اسے جواد نے یا روبینہ کے بھائیوں نے کہیں چھپا کر رکھا ہے۔ اگر ہم اپنے آدمیوں کے ساتھ دور ہی دور سے ان سب کی نگرانی کرتے رہیں گے تو شاید شینا کے بارے میں کچھ معلوم ہو جائے۔“

کاچھی نے کہا۔ ”تم ٹھیک کہتے ہو، یوں بیٹھے رہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ جواد دوپہر کو پھر یہاں مجمع لگائے گا۔ ہمیں اس سے پہلے معلوم کرنا چاہیے کہ شینا کہاں ہے اور وہ تھانے دار اسے اچانک ہی کہاں سے لائے گا؟“

وہ سب بولتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئے۔ اب وہ تھانے دار اور روبینہ کے بھائیوں کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وہ سب کہاں ہیں اور کیا کرتے پھر رہے ہیں؟

☆☆☆

عینی بظاہر مجھ سے دور دور رہتی تھی۔ ہماری محبت کو خواہ مخواہ افواہوں کی زد میں لانا نہیں چاہتی تھی۔ مگر آدھی رات کے بعد فون کے ذریعے میرے قریب آجاتی تھی۔ جس رات شینا کو اغوا کیا گیا، اس رات سب ہی جاگ رہے تھے۔ اسے فون پر بات کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔

میں نے امی سے فون پر پوچھا۔ ”وہاں حالات کیسے ہیں؟ کیا شینا واپس آگئی ہے؟“

انہوں نے کہا۔ ”کچھ پتا نہیں ہے بیٹے! وہ ہم سے ہزار دشمنی کریں۔ پھر بھی شینا ہمارے خاندان کی بچی ہے۔ پتا نہیں کہاں گم ہو گئی ہے؟ خدا ہی جانتا ہے، یہاں بے شمار لوگ اسے تلاش کرنے کے لیے گئے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”یہاں گیرج کا ایک کاریگر میرا دوست ہے۔ بیچارہ آدھی رات کو میری جیپ کی مرمت میں لگا ہوا ہے۔ ابھی یہ ٹھیک ہو جائے گی تو میں یہاں سے شینا کو تلاش کرتا ہوا آتا ہوں۔“

”آجاؤ بیٹے! میں نہیں چاہتی کہ لوگ تم پر شبہ کریں۔ خدا کا شکر ہے۔ ابھی تمہارے خلاف کوئی نہیں بول رہا ہے۔“

”شینا کے اغوا کے سلسلے میں کیا رائے قائم کی جارہی ہے؟“

”روبینہ کے میکے سے آنے والی عورتیں اور مرد کہہ رہے ہیں کہ شکوریا، باسو اور کاچھی نے تم سے دشمنی نکالنے کے لیے روبینہ کو برباد کیا ہے۔ تمہاری پھوپھی، چچی اور دونوں چچا کہہ رہے ہیں کہ روبینہ کے بھائیوں نے شینا کو اغوا کیا ہے۔“

”امی! آپ کا کیا خیال ہے؟“

وہ بولیں۔ ”ہم برسوں سے خود غرض تھانے دار کی مکاریاں دیکھتے آرہے ہیں۔ میرے ذہن میں بار بار یہی بات آرہی ہے کہ وہ تمہارے تینوں دشمنوں۔۔۔ اور روبینہ کے بھائیوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا رہا ہے۔ اس نے شینا کو اغوا کرایا ہے اور دونوں پارٹیوں سے بھاری رقمیں وصول کر رہا ہے۔“

”ہاں۔ وہ ایسی ہی چالیں چلتا ہے، جن کے نتیجے میں اس کی اچھی خاصی کمائی ہوتی رہتی ہے۔ آپ کی باتیں دل کو لگ رہی ہیں۔ میں اپنے طور پر بھی تھانے دار کو ٹٹولنے کی کوشش کروں گا۔“

میں فون بند کر کے تھانے دار کے متعلق سوچنے لگا۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ وہ میرے تینوں دشمنوں سے ناراض ہے۔ ظاہر ہے، لین دین کے معاملات میں اختلافات پیدا ہوئے ہوں گے۔ وہ پولیس والا ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔ یقیناً ان کے خلاف انتقامی کارروائی کر رہا ہوگا۔

وہ ایسا کم ظرف اور کمینہ تھا کہ انتقام لینے کے لیے اور مخالفین کو سزائیں دینے کے لیے ان کی بہنوں اور بیٹیوں کو بھی اٹھوا لیتا تھا۔ تقریباً چار برس پہلے اس نے ایک بار ایک مزارعے کی بیٹی کو اٹھوا لیا تھا اور الزام دوسرے مزارعے پر ڈال کر اسے جیل بھیج دیا تھا۔ وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

رات کے ایک بجے فون پر عینی کی رس بھری آواز سنائی دی۔ اس نے کہا۔ ”میں زیادہ باتیں نہیں کر سکوں گی۔ گھر میں سب ہی جاگ رہے ہیں۔۔۔ بلکہ آج تو پورا چک جاگ رہا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”میں سمجھ رہا ہوں۔ شینا کا معاملہ سنگین ہوتا جارہا ہے۔“

وہ بولی۔ ”سنگینی کے باوجود یہ اطمینان ہے کہ لوگ تمہارے خلاف نہیں بول رہے ہیں۔ تمہاری پھوپھی اور چچی کے علاوہ دوسری عورتیں بھی روبینہ کے بھائیوں کے خلاف بول رہی ہیں اور اس کے میکے والے انہیں الزام

دے رہے ہیں۔ ہوا کا رخ ایک دم سے بدل گیا ہے۔ اب تمہیں جلد سے جلد واپس آنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"
"میں ایک گھنٹے بعد ہی یہاں سے نکل سکوں گا۔"
"ابھی معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پھوپھا اور دونوں چچا تھانے کی طرف گئے ہیں۔ اتنی بڑی واردات ہوگئی ہے اور تھانے دار کہیں آرام سے بیٹھا ہوا ہے۔"
میں نے کہا۔ "یقیناً اس کے آرام اور اطمینان کے پیچھے کوئی راز ہوگا۔ مجھے اس سے بات کرنی پڑے گی۔"
"تم پولیس والوں کے منہ نہ لگو۔ سیدھے یہاں چلے آؤ۔"
پھر اس نے دھیمی سی آواز میں کہا۔ "سوری کوئی آرہا ہے۔ میں فون بند کر رہی ہوں۔ پھر کسی وقت بات کروں گی۔"
اس نے اچانک ہی بولتے بولتے فون بند کر دیا۔ میں نے حسرت سے فون کو دیکھا۔ کاریگر نے کہا۔ "جیپ اے ون ہوگئی ہے۔ اسے اسٹارٹ کرو۔"
میں گیرج میں تھا۔ صحیح وقت پر جیپ کی مرمت ہوگئی تھی۔ میں نے اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کیا۔ کاریگر کا معاوضہ ادا کرنے کے ساتھ اس کا شکریہ بھی ادا کیا۔ پھر وہاں سے چل پڑا۔ چک چوالیس اور پینتالیس کے درمیان ایک چھوٹا سا تھانہ تھا۔ ان علاقوں میں جواد اکبر کی حکمرانی تھی۔ میں اس سے ملاقات کرکے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ شکوریا کی بہن کے سلسلے میں کچھ کر رہا ہے یا اپنے طور پر کوئی بازی کھیل رہا ہے؟
جواد اکبر رات کے دو بجے ہی میرے پھوپھا اور چچا کے ساتھ چک کی طرف چلا گیا تھا۔ میں وہاں پہنچا تو تھانے میں صرف ایک ہی سپاہی تھا۔ وہاں کے تمام سپاہی زمینداروں کو جانتے تھے۔ ہم بوقتِ ضرورت انہیں کچھ نہ کچھ دیتے رہتے تھے۔
وہاں اکلوتے سپاہی نے مجھے دیکھتے ہی سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا۔ "یہاں سناٹا کیوں ہے؟ جواد صاحب اور باقی سپاہی کہاں ہیں؟"
وہ بولا۔ "آپ شینا کے معاملے سے تو باخبر ہی ہوں گے۔ وہ چک چوالیس میں ہیں۔"
میں نے کہا۔ "وہ سب ادھر ہیں۔ پر شینا کہاں ہے؟ تمہارے جیسے سپاہی اپنے تھانے دار کے اندر کی باتیں خوب جانتے ہیں۔"
وہ ذرا ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "ہاں۔ کبھی جانتے ہیں۔ کبھی نہیں جانتے۔ وہ کبھی کبھی ہم سے بہت کچھ چھپاتے ہیں۔"
"شینا کے بارے میں بھی چھپا رہے ہوں گے؟"
وہ بے اختیار سر ہلا کر بولا۔ "جی ہاں۔۔۔"
میں نے اس کی طرف جھک کر سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔ "کیا چھپا رہے ہیں؟"
وہ جلدی سے پیچھے ہٹ کر بولا۔ "کچھ نہیں۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں۔۔۔"
"یعنی کچھ نہیں چھپا رہے اور نہیں چھپا رہے تو پھر تم جانتے ہوگے۔"
وہ سنبھل کر بولا۔ "آپ بڑی ہیرا پھیری سے کر رہے ہیں۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ آپ صاحب سے بات کریں۔ وہ چک چوالیس میں ملیں گے۔"
میں نے اس پر نظریں گاڑ دیں۔ وہ مجھ سے نظریں چرانے لگا۔ میں نے کہا۔ "مجھے یاد آرہا ہے، کوئی چار یا پانچ ماہ پہلے تم نے کہا تھا، تمہاری بیٹی کا رشتہ کہیں طے ہوگیا ہے۔ کچھ رقم جمع ہوگی تو تاریخ پکی کرو گے۔"
میں نے اس کی پریشانی کو سمجھا اور اس کی ضرورت کو چھیڑا تو اس نے ہائے کے انداز میں کہا۔ "ہاں۔ ہماری اوقات کیا ہے؟ لاکھوں روپے نہ کما سکتے ہیں، نہ لٹا سکتے ہیں۔ پچیس پچاس ہزار میں بیٹی کو رخصت کر دیتے ہیں۔ پر ایسے چھوٹے اور ویران تھانوں میں نوکری کرنے والوں کو اتنی رشوت بھی کہیں سے نہیں ملتی۔ جو ملتی ہے، وہ صاحب لے جاتے ہیں۔"
میں نے کہا۔ "میرے کام آؤ گے تو صاحب کی جھولی میں ایک پیسہ بھی نہیں جائے گا۔ بڑی رازداری سے پچاس ہزار تمہیں ملیں گے۔"
اس نے اتنی بڑی رقم کبھی خواب میں بھی حاصل نہیں کی تھی۔ مجھے بے یقینی سے دیکھنے لگا۔ سوچنے لگا، میں نے کہا۔ "ابھی پانچ ہزار دوں گا۔ صبح نو بجے بینک کھلتا ہے۔ اوکاڑہ چلو گے تو وہاں بقیہ پینتالیس ہزار مل جائیں گے۔"
یقیناً اس کے تصور میں بیٹی دلہن بن رہی ہوگی۔ ڈھولک کی تھاپ پر سہاگ کے گیت ابھر رہے ہوں گے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہیں پیچھے والی کوٹھری میں شینا کو قیدی بنا کر رکھا گیا ہے۔ لیکن وہ جوان بیٹی کا باپ تو جانتا تھا۔ شینا بھی اس کی بیٹی کی ہم عمر ہوگی۔ اس کے دل میں ایک ذرا یہ خیال نہیں آیا ہوگا کہ اس کی اپنی بیٹی اس کوٹھری میں ہوتی اور تھانے دار اس کی عزت لوٹنے کی دھمکیاں دے چکا ہوتا تو

ایک باپ کے دل پر کیا گزرتی؟
پرائی بہنوں اور بیٹیوں کے لیے کوئی ایسے نہیں سوچتا۔ مگر ہاں۔۔۔ ضرورت سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ وہ اپنی بیٹی کے لیے ضرورت مند تھا۔ اس کے اندر پچاس ہزار دھماکے کر رہے تھے۔ وہ غیرت مند اور ایماندار بن کر سوچنے لگا۔ "مجھے شینا جیسی مظلوم لڑکی سے نیکی کرنی چاہیے۔ میں اپنی بیٹی کو سہاگن بنانے کے لیے نیکی کر کے پچاس ہزار لوں گا تو یہ رشوت نہیں ہوگی۔ مجھے ثواب بھی ملے گا۔"
میں سمجھ رہا تھا، گاؤں دیہاتوں میں پچیس برسوں سے لاٹھی لے کر یا زنگ آلود بندوق لے کر پھرنے والا وہ سپاہی پچاس ہزار کے نوٹوں سے پرزہ پرزہ ہو کر ہواؤں میں اڑ رہا ہوگا۔ میں چپ تھا، اسے اڑتے رہنے کا اور پھر ضرورت کی دہلیز پر آگرنے کا موقع دے رہا تھا۔
اس نے کہا۔ "صاحب کو پتا چلے گا تو وہ میری بیوی اور بیٹی سمیت مجھے الٹا لٹکا دیں گے۔ وہ ایسے ظالم ہیں کہ ہمیں زندہ جلا دیں گے۔"
میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "مجھ پر بھروسا کرو۔ جواد کو کبھی معلوم نہیں ہوگا کہ تم نے مجھے شینا کے بارے میں اہم باتیں بتائی ہیں۔"
"اسے معلوم ہو جائے گا۔ فرض کریں، اس نے شینا کو کہیں چھپایا ہے۔ آپ اسے وہاں سے لے جائیں گے تو یہ بات صاحب سے کیسے چھپی رہے گی؟"
"چھپے گی۔ ہم ڈراما کریں گے۔ تم جواد سے کہو گے کہ میں نے تمہیں بندوق کے نشانے پر رکھ کر تمہاری پٹائی کی ہے۔ تمہیں یہاں باندھ کر چھوڑ گیا ہوں اور شینا کو لے گیا ہوں۔ یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ میں اکیلا نہیں تھا۔ میرے ساتھ مسلح کارندے تھے۔"
وہ قائل ہو رہا تھا اور ہاں کے انداز میں سر ہلا رہا تھا۔ میں نے کہا۔ "تمہیں یہ کہنا ہوگا کہ شینا کو لے جانے والے منہ پر ڈھاٹا باندھے ہوئے تھے۔ تم آئندہ انہیں چہروں سے نہیں پہچان سکو گے۔"
وہ پھر ہاں کے انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "پر۔۔۔ وہ پچاس ہزار مجھے کیسے ملیں گے؟ میں تو یہاں بندھا پڑا رہوں گا اور آپ مجھے پوری رقم دیے بغیر شینا کو یہاں سے لے جائیں گے۔"
"تمہیں مجھ پر بھروسا کرنا ہوگا۔ میں صبح بینک کھلتے ہی رقم نکال کر تمہاری بیوی کے پاس بڑی رازداری سے پہنچا دوں گا۔"
وہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ میں نے اپنی مٹھی اس کے آگے کرتے ہوئے کہا۔ "یہ گھونسا جس کے منہ پر پڑتا ہے، وہ خون تھوکنے لگتا ہے۔ تم بوڑھے ہو مجھ سے مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ ایسی پٹائی کروں گا کہ شینا کے بارے میں سچ بولنے لگو گے۔ فوراً فیصلہ کرو۔ مار کھا کر اپاہج بنو گے یا مجھ پر بھروسا کر کے بیٹی کو سہاگن بناؤ گے؟"
"آ۔ آپ مار پیٹ والی بات نہ کریں۔"
"میں اس سے بھی آگے ایک کام کروں گا۔ اپنے آدمیوں سے تمہاری بیٹی کو اغوا کراؤں گا۔ پھر اپنے خلاف بیان دینے کے لیے تمہیں یہاں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"
وہ سہما ہوا تھا، یہ سمجھ رہا تھا کہ میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔ اس نے بڑی عاجزی سے پوچھا۔ "آپ مجھے پورے پچاس ہزار دیں گے ناں؟"
"ضرور دوں گا۔"
"صبح بینک کھلنے کے بعد وہ رقم میری بیوی تک ضرور پہنچ جائے گی ناں؟"
"اگر میں شینا کے معاملے میں مصروف رہا تو شام تک رقم پہنچا دوں گا۔ اب وقت برباد نہ کرو۔ بتاؤ شینا کہاں ہے؟"
"وہ۔۔۔ وہ یہیں پیچھے حوالات میں ہے۔"
میں ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ اس کا گریبان پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولا۔ "چابیاں کہاں ہیں؟ چلو۔۔۔ تالا کھولو۔"
"چابیاں میرے پاس ہیں۔ گریبان تو چھوڑیں۔"
میں نے اسے آگے چلنے کے لیے دھکا دیا۔ پھر اس کے ساتھ تھانے کے پچھلے حصے میں آگیا۔ وہاں چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ کھڑکیاں نہیں تھیں۔ لکڑی کے دروازے تھے۔ ایک دروازہ کھلنے کے بعد شینا نظر آئی۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا گیا تھا۔ ہاتھ پاؤں بھی بندھے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں اور چہرے سے لگ رہا تھا کہ دیر تک روتی اور پریشان ہوتی رہی ہے۔
مجھے دیکھتے ہی وہ پہلے تو حیران ہوئی۔ پھر فوراً ہی تڑپ کر گھسٹتی ہوئی میری طرف آنے کی کوشش کرنے لگی۔ میں نے جھک کر اس کے منہ سے کپڑا نکالا۔ ہاتھوں اور پیروں کی رسیاں کھولنے لگا۔
وہ روتے ہوئے کہنے لگی۔ "میں تمہاری چھوٹی بہن ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ میں سمجھ گئی ہوں، تھانے دار سے مل کر دشمنی کرنے آئے ہو۔ میں رشتہ بھول گئی تھی۔ تم نہ بھولو۔

ہم ایک ہی دادا کی اولاد ہیں۔"
میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "چپ ہوجاؤ۔ میں دشمن نہیں ہوں۔ تھانے دار جواد یہاں نہیں ہے۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانے آیا ہوں۔"
وہ بے یقینی سے میرا منہ تکنے لگی پھر بولی۔ "سچ کہہ رہے ہو۔ مجھے یہاں سے لے جاؤ گے؟"
"ہاں۔ چلو اٹھو۔۔۔ جلدی کرو۔"
اسے اب بھی یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے روتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں لے جارہے ہو؟ تھانے دار مجھے ہاتھ تو نہیں لگائے گا ناں؟"
میں نے اسے تھپکتے ہوئے کہا۔ "میری بہنا! میں اس کے ہاتھ توڑ دوں گا۔"
وہ دھاڑیں مار کر روتی ہوئی میرے قدموں سے لپٹ گئی۔ "بھائی بلال! بس ایک بار مجھے بچالے۔ میں ساری زندگی تیری سچی بہن بن کر رہوں گی۔"
میں نے کہا۔ "یہ تو جانے اور تیرا ایمان جانے۔ تو اچھی رہے گی یا بری بن کر رہے گی۔ ہر حال میں پہلے بھی میری بہن تھی آئندہ بھی رہے گی۔"
میں اسے قدموں سے الگ کر کے رسیاں اٹھا کر سپاہی کے ہاتھ پاؤں باندھنے لگا۔ وہ حیرانی سے یہ دیکھنے لگی کہ سپاہی کسی اعتراض کے بغیر چپ چاپ خود کو بندھوا رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "آپ کی بہن کے ساتھ ایک اور قیدی ساتھ والے کمرے میں ہے۔ ہم ان دونوں کو ٹوٹی ہوئی پلیا سے پکڑ کر لائے تھے۔"
میں نے شینا سے پوچھا۔ "یہ کیا کہہ رہا ہے؟"
وہ سر جھکا کر بولی۔ "میں اپنی غلطی کی وجہ سے یہاں پہنچی ہوں۔ یہاں سے تم لے جاؤ گے تو چک میں جا کر بدکار کہلاؤں گی۔"
میں نے بڑے دکھ سے اسے دیکھا۔ یہ فکر لاحق ہوئی کہ اپنے ہی ہاتھوں مول لینے والی بدنامی سے اسے کیسے بچاؤں گا؟ کسی بھی طرح بچانے کے لیے لازم تھا کہ اس سے منسوب ہونے والے سلامت علی کو بھی وہاں سے لے جایا جائے۔
میں نے دوسرے کمرے کا دروازہ کھولا۔ سلامت کو شینا کے پاس لا کر کہا۔ "اب تک جو ہو چکا ہے۔ اس کے متعلق ایک ایک بات مجھے بتاؤ؟ کچھ نہ چھپاؤ۔ مجھے سچ معلوم ہوگا تو اپنی بہن کو بدنامی سے بچا سکوں گا۔"
شینا نے سلامت کو نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے اس سے دھوکا کھایا ہے۔ یہ خود غرض ہے۔ تھانے دار کو رشوت دینے کے بعد یہاں سے رہائی پانا چاہتا تھا۔"
وہ بولا۔ "میری مجبوری کو سمجھو۔ میں تمہارے ساتھ پکڑا جاتا تو میری بہن کا رشتہ ٹوٹ جاتا۔ وہ ایک بدکار بھائی کی بہن کہلاتی۔"
شینا نے کہا۔ "میں بھی کسی کی بہن ہوں۔ یہ ایک بھائی تمہارے سامنے ہے۔ یہ تمہاری طرح منہ چھپا کر بھاگتے نہیں، میری عزت بچانے اور گھر لے جانے آیا ہے۔ مجھ سے عشق لڑاتے وقت تمہیں اپنی بہن یاد کیوں نہیں آئی؟"
میں نے کہا۔ "شینا! بات نہ بڑھاؤ۔ یہ بتاؤ، جواد کس حال میں تم دونوں کو یہاں لایا تھا؟ اس نے اب تک کیا کارروائی کی ہے؟ کیا بیان لیا ہے؟"
وہ دونوں مجھے شام سے لے کر اب تک کی رُوداد سنانے لگے۔ میں نے سب کچھ اچھی طرح سننے کے بعد کہا۔ "تم دونوں کسی کے بھی سامنے یہ نہ کہنا کہ رات کے اندھیرے میں پلیا کے پاس ملنے گئے تھے۔"
سلامت نے کہا۔ "میں نے شینا کو وہاں ملنے کے لیے چٹھی لکھی تھی۔ اس نے بھی چٹھی کا جواب لکھا تھا۔ جواد نے وہ دونوں تحریریں ہم سے لے کر اپنے پاس رکھی ہیں۔ وہ ثابت کردے گا کہ۔۔۔"
میں نے کہا۔ "میری بات یاد رکھو۔ تم دونوں نے کوئی چٹھی نہیں لکھی ہم کہیں گے، تھانے دار تمہارے خلاف کیس بنانے کے لیے جعلی چٹھیاں پیش کر رہا ہے۔ جب تم دونوں سے تحریر کا نمونہ طلب کیا جائے گا۔ تمہیں سب کے سامنے کچھ لکھنے کو کہا جائے گا تو اندازِ تحریر اور الفاظ کی بناوٹ بدل کر کچھ بھی لکھ دینا۔"
شینا نے میرے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر احسان مندی سے کہا۔ "بھائی بلال! تم بہت اچھے ہو۔ میں بہت بری ہوں۔ خدا کی قسم شرم سے مری جارہی ہوں۔"
میں نے کہا۔ "فوراً یہاں سے چلو۔ ورنہ وہ شیطان یہاں آدھمکے گا۔ ابھی بہت سی اہم باتیں سوچنے، سمجھنے اور عمل کرنے کے لیے رہ گئی ہیں۔ ہم راستے میں باتیں کریں گے۔"
وہ سپاہی رسیوں سے بندھا پڑا تھا۔ میں نے اس کے منہ پر ایک زوردار گھونسا رسید کیا۔ وہ تکلیف کی شدت سے بلبلا اٹھا۔ فرش پر تڑپنے لگا۔ اس کی ناک اور باچھوں سے لہو رسنے لگا۔ میں نے کہا۔ "سوری۔ تھانے دار کو معلوم ہونا چاہیے کہ شینا اور سلامت کو لے جانے والوں نے تم پر ظلم کیا ہے۔"

وہ تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا۔ "اب نہ مارنا ورنہ میں مرجاؤں گا۔ یہ بتاؤ، میری رقم کا کیا بنے گا؟"
میں نے کہا۔ "میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ تمہیں رقم ملے گی۔ تم ہمارے جانے کے بعد یہی بیان دو گے کہ یہاں کچھ لوگ منہ پر ڈھاٹا باندھ کر آئے تھے اور تم انہیں پہچانتے نہیں تھے۔"
میں اسے وہیں چھوڑ کر شینا اور سلامت کے ساتھ باہر آکر جیپ میں بیٹھ گیا۔ پھر اسے اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "حوالات میں واردات کرنا اور قیدیوں کو وہاں سے نکال لانا بہت بڑا جرم ہے۔ جواد اکبر مجھے قانونی شکنجے میں لے سکتا ہے۔"
شینا نے کہا۔ "وہ سپاہی شناخت نہیں کرے گا تو تھانے دار تمہیں کیسے الزام دے گا؟"
میں نے کہا۔ "چک میں اور اپنے گھر میں پہنچنے کے بعد یہ کہنا ضروری ہے کہ تم اب تک میرے ساتھ تھیں۔ جب سب ہی کو ایک بھائی کے ساتھ رہنے کی بات معلوم ہوگی تو تمہاری نیک نامی قائم رہے گی۔ ایسے وقت جواد سمجھ لے گا کہ میں ہی تمہیں تھانے سے لایا ہوں۔"
وہ بولی۔ "ہاں۔ پھر تو اس سے یہ بات چھپی نہیں رہے گی۔"
میں نے کہا۔ "ابھی ہم اوکاڑہ جارہے ہیں۔ ہم تینوں کے لیے ضروری ہے کہ جلد سے جلد قانونی تحفظ حاصل کریں۔ صبح عدالت کھلتے ہی اپنے وکیل کے ذریعے مجسٹریٹ کے سامنے حاضر ہوں گے۔ وہاں تم دونوں اپنا اپنا تحریری بیان دو گے۔"
اس نے پوچھا۔ "ہمیں وہاں کیا کہنا ہوگا؟"
"تم کہو گی کہ سلامت سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تھانے دار تمہارے بھائی شکوریا کو دلہن روبینہ کے شرمناک معاملے میں پھانسنا چاہتا ہے۔ شکوریا سے جبراً اقبالِ جرم کرانے کے لیے اس نے تمہیں اٹھوا کر حوالات میں رازداری سے قیدی بنا کر رکھا تھا۔ تم سے زبردستی یہ بیان لکھوانا چاہتا تھا کہ تم روبینہ کے معاملے میں اپنے بھائی کے ساتھ شریک رہی ہو۔"
میں بولتے بولتے رک گیا۔ تھانے دار کی سازش کو ناکام بنانا تھا۔ اسے قانونی شکنجے میں لانا تھا۔ مگر یہ حقیقت اپنی جگہ تھی کہ شینا، شکوریا اور میرے تمام مخالفین نے سازشیں کی تھیں۔ روبینہ کو برباد کردیا تھا۔ میں اب بھی شینا کو بدنامی سے بچانے کی تدبیر کررہا تھا۔ میرا فرض تھا کہ روبینہ کے ساتھ بھی انصاف کروں۔ اس کے مجرموں کو بے نقاب کرنا اور انہیں سزا دلانا بھی ضروری تھا۔
شینا نے پوچھا۔ "چپ کیوں ہوگئے؟ آگے سمجھاؤ، مجسٹریٹ کے سامنے اور کیا کہنا ہے؟"
"مجسٹریٹ کے سامنے بیان دیتے وقت روبینہ کا ذکر ہوگا۔ تمہیں اس سلسلے میں سچ کہنا ہوگا۔ تم مجرموں کو جانتی ہو، کیا انہیں بے نقاب کرو گی؟"
وہ میرے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھی تھی، پریشان ہو کر بولی۔ "نہیں۔۔۔ میں کسی مجرم کو نہیں جانتی۔ تھانے دار نے دھمکی دی تھی کہ میں اپنے بھائیوں کے خلاف بیان نہیں دوں گی تو وہ مجھے منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔"
"خدانخواستہ تھانے دار بدمعاشی کرتا، تب بھی تمہارا ضمیر یہ نہ سمجھاتا کہ روبینہ کے ساتھ بھی جبراً ایسا ہوا ہے؟"
"میں سب سمجھتی ہوں۔ تمہاری محبت اور شفقت نے اور سمجھا دیا ہے روبینہ کے مجرموں کو سزا ملنی چاہیے اور ایسا ہوگا تو ہمارا پورا خاندان بدنام ہوگا۔ میں سچ بولوں گی تو روبینہ کے بھائی ہم سب کے جانی دشمن بن جائیں گے۔ خون کی ندیاں بہائے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ تھانے دار بھی میرے بھائیوں کو قانون کے شکنجے میں جکڑ لے گا۔ وہ ہر طرف سے مارے جائیں گے۔ کیا میں یہ دیکھ سکوں گی برداشت کرسکوں گی؟"
میں خاموشی سے سب سن رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ ہم سب ایک ہی دادا کی اولاد تھے۔ تینوں کی ذلالت کے باعث میرے باپ دادا کی بدنامی ہونے والی تھی۔ شینا نے کہا۔ "میں نہ ہی مجسٹریٹ کے سامنے اور نہ ہی چک والوں کے سامنے ان تینوں کا نام لوں گی۔ پر آج کے بعد تم میرے سگے بھائیوں سے بڑھ کر ہو۔ تمہارے سامنے سچ کہوں گی۔"
"چلو میرے سامنے ہی کہو۔"
"یہ سچ ایسا ہے کہ تمہارا سر بھی شرم سے جھک جائے گا۔"
میں نے ڈرائیو کرتے ہوئے اسے کن انکھیوں سے دیکھا۔ اس نے کہا۔ "بھائی شکوریا، کا چھی اور باسو نے تمہیں بدنام کرنے کے لیے سازش کی اور اس سازش کو کامیاب بنانے کے لیے تمہارا بہنوئی حشمت حجلہ عروسی میں گیا تھا۔"
یہ ایسا انکشاف تھا کہ دماغ میں پتھر سا آکر لگا۔ میں نے بریک لگاتے ہوئے جیپ سڑک کے کنارے روک دی۔ شینا کا منہ تکنے لگا۔ وہ بولی۔ "حشمت تمہاری چھت

کے نیچے آستین کا سانپ بن کر رہتا ہے۔ وہ تمہیں راستے سے ہٹا کر یا پاگل خانے بھیج کر تمہاری تمام زمینوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔

اتنا تو میں بھی سمجھتا تھا کہ وہ میری زمینوں کی دیکھ بھال کے دوران میں بہت ہیرا پھیری اور بے ایمانی کرتا ہے۔ مگر وہ مجھے ابنارمل، پاگل اور خبطی ثابت کر کے پاگل خانے بھیجنا چاہتا تھا یا ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتا تھا، یہ نہیں جانتا تھا۔ میرا بہنوئی، میری بہن کا سہاگ جو ہمارے پاس چاندی کے برتن میں سونے کے نوالے کھا رہا تھا۔ وہ ایسا نمک حرام نکلے گا، میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

شینا نے کہا۔ ''بہنوئی کے کرتوت سن کر صدمہ پہنچا ہے؟ تم نے گاڑی روک دی۔ اب بولو اس کے خلاف کیا کر سکو گے؟ کیا یہ چاہو گے کہ روبینہ کے بھائی اسے مار ڈالیں تمہاری بہن چھانو بیوہ ہو جائے اور اس کے بچے یتیم ہو جائیں؟''

رشتہ کتنا ہی گہرا ہو، خون کا ہو۔ میں ایک ہی بات جانتا ہوں کہ خطا وار کو اس کی غلطیوں کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔ میری بہن سات برس سے سہاگن تھی۔ دو بچوں کی ماں بن چکی تھی۔ روبینہ تو سہاگ کی سیج پر پہنچتے ہی لٹ گئی تھی۔ اب سہاگن ہوتے ہوئے بھی جیسے مطلقہ یا بیوہ ہو گئی تھی۔ اس کا دکھ میری بہن چھانو سے بھاری تھا۔

ایمان کی بات یہ تھی کہ اس کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ قانون کا تقاضا تھا کہ مجرم کو سزا دی جائے۔ خواہ وہ میرا بہنوئی ہی کیوں نہ ہو۔

وہ بولی۔ ''لیکن ہم دونوں کو مل کر پورے خاندان کو بدنامی سے بچانا ہے۔ ہم سب ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے تو پرانی تمام عداوتیں ختم ہو جائیں گی۔''

میں نے جواب نہیں دیا۔ جیپ آگے بڑھا دی۔

اگرچہ شینا مجھ سے متاثر ہو گئی تھی۔ سچے دل سے مجھے اپنا محسن اور بھائی تسلیم کر رہی تھی۔ اس کے باوجود اپنے بھائیوں کے خلاف زبان کھولنے والی نہیں تھی۔ میں اسے لاکھ سمجھاتا کہ اخلاق، تہذیب اور انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں۔ روبینہ کے مجرموں کو بے نقاب کر کے انہیں سزائیں دی جائیں تو وہ بدکاری کے الزام سے بچ کر نکل آنے والی بھی بھائیوں کو سزا دلانے پر راضی نہ ہوتی۔

میں نے فی الحال اس سلسلے میں بحث نہیں کی۔ دل میں یہ طے کر لیا کہ جو کرنا ہے، وہ اپنی صوابدید کے مطابق تنہا کروں گا۔ میں نے اوکاڑہ پہنچ کر اپنے وکیل سے ملاقات کی۔ اسے اپنے، شینا ۔۔۔۔ اور سلامت کے حالات بتائے۔ وہ تمام باتیں سننے کے بعد بولا کہ ہم سب کو مجسٹریٹ کے سامنے تحریری بیان دے کر قانونی تحفظ حاصل کرنا چاہیے۔

ہم دن کے بارہ بجے تک کچہری میں مصروف رہے۔ ہمارے بیان کے مطابق تھانے دار جواد نے شینا اور سلامت کو جھوٹے الزام میں پکڑ کر حبس بے جا میں رکھا تھا۔ ایک شریف زادی کو اغوا کرایا تھا اور اس کے بھائیوں کے خلاف اس سے جبراً بیان لکھوانا چاہتا تھا۔ مجسٹریٹ نے اوکاڑہ کے ایک پولیس افسر کو جواد کے خلاف قانونی کارروائی کرنے کا حکم دے دیا۔

ادھر جواد صبح چھ بجے تھانے میں واپس آیا تو بوڑھے سپاہی کو وہاں بندھا ہوا پایا۔ اس کے بیان کے مطابق چار مسلح افراد منہ پر ڈھاٹا باندھ کر آئے تھے پھر اسے باندھ کر شینا اور سلامت کو وہاں سے لے گئے۔

جواد چکرا کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کون لوگ اس کے اصل مہرے کو اس سے چھین کر لے گئے ہیں؟

وہ دوڑتا بھاگتا پھر چک واپس آیا۔ اس کا خیال تھا' شینا کو لے جانے والوں نے اسے گھر پہنچا دیا ہو گا مگر معلوم ہوا کہ وہ واپس نہیں آئی ہے۔

وہ چاچا کھا اور روبینہ کے بھائیوں کے ساتھ ایک کمرے میں بند ہو کر بولا۔ ''بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ کچھ لوگ شینا اور سلامت کو حوالات سے نکال کر لے گئے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ وہ کون ہیں؟ اگر شینا کے ہمدرد ہیں تو وہ اپنے گھر واپس کیوں نہیں آئی؟''

روبینہ کے بھائی اشرف نے کہا۔ ''آپ کے تھانے سے قیدیوں کو لے جانے والے پیشہ ور مجرم ہوں گے۔ ہمیں یہ سمجھنا ہو گا کہ وہ لوگ شینا کو وہاں سے کیوں لے گئے ہیں؟ اور کہاں لے گئے ہیں؟''

وہ سب میرے متعلق کبھی سوچ نہیں سکتے تھے کہ میں اپنے دشمنوں کی بہن کو وہاں سے لے جا سکتا ہوں۔ اگر مجھ پر شبہ ہوتا تو جواد اوکاڑہ کی طرف چلا آتا۔ میں شبے سے بالاتر رہا اس لیے کسی رکاوٹ کے بغیر جواد کے خلاف قانونی کارروائیاں کرنے میں کامیاب رہا۔

دن کے ایک بجے اوکاڑہ کے ایک اعلیٰ پولیس افسر نے جواد کو فون پر حکم دیا کہ وہ فوراً اس کے دفتر میں حاضر ہو جائے۔ ادھر شینا نے فون پر شکوریا سے رابطہ کیا۔ اسے بتایا کہ وہ عزت آبرو اور خیر خیریت سے میرے ساتھ ہے۔

وہ تینوں بھائی حیران ہوئے۔ ایک تو اس لیے کہ ان

کی توقع کے خلاف وہ خیریت سے اور عزت سے تھی۔ فون پر خوب چہک رہی تھی۔ دوسری حیرانی کی بات یہ تھی کہ مجھ جیسے دشمن کے ساتھ تھی۔

شینا نے کہا۔ ''ابھی کسی کو نہ بتایا جائے کہ میں اوکاڑہ میں ہوں۔ تم ابا اور بھائیوں کے ساتھ فوراً یہاں آجاؤ۔''

وہ تینوں اپنے بزرگوں کے ساتھ گاڑیوں میں بیٹھ کر جانے لگے۔ چاچا کھے نے پوچھا۔ ''کہاں جارہے ہو؟ کیا شینا کے بارے میں کچھ معلوم ہوا ہے؟''

شکوریا نے کہا۔ ''ہم اپنے گھر جارہے ہیں۔ شام تک واپس آجائیں گے۔''

وہ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راستے میں شینا نے فون پر رابطہ رکھا۔ انہیں پچھلی رات سے اب تک کی تمام روداد سناتی رہی۔ انہیں یہ معلوم ہوتا رہا کہ میں نے کس طرح اسے تھانے دار کے چنگل سے نکالا ہے اور ان کی بہن کی آبرو رکھی ہے۔

وہ کہہ رہی تھی۔ ''اب ہمیں پرانی دشمنی ختم کرنی چاہیے۔ میں نے بھائی بلال کو بتا دیا ہے کہ روبینہ کے معاملے میں ہم سب نے مل کر ان کے خلاف سازش کی تھی۔''

شکوریا نے پوچھا۔ ''تم نے اتنی بڑی بات اسے کیوں بتا دی؟''

''اس لیے کہ اب میں بھائی بلال کی سچی بہن بن کر رہوں گی۔ جو بھی سچائی ہے، ان سے نہیں چھپاؤں گی۔ نہ کبھی جھوٹ بولوں گی اور نہ اپنے سونے جیسے بھائی کو کبھی دھوکا دوں گی۔''

''ہم نے بلال کے خلاف شرمناک سازش کی۔ کامیاب ہو جاتے، تو وہ مجرم ثابت ہوتا اور روبینہ کے بھائی اسے زندہ نہیں چھوڑتے۔ اتنی بڑی دشمنی کے بعد کیا وہ ہمارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گا؟ ہم سے انتقام نہیں لے گا؟''

شینا نے کہا۔ ''نہیں ۔۔۔ میرا یقین کرو۔ پرانی دشمنی کو بھول جاؤ۔ ہم سب ایک ہی دادا کی اولاد ہیں۔ بھائی بلال کے گلے لگ جاؤ۔''

ان تینوں نے اوکاڑہ میں میرے سامنے آکر کہا۔ ''تم نے شینا کی عزت بچا کر ثابت کر دیا ہے کہ ہم سب ایک ہی لہو سے ہیں۔ لڑنے جھگڑنے کے باوجود اپنے خاندان کی نیک نامی پر آنچ نہیں آنے دیتے۔''

وہ باری باری آگے بڑھ کر مجھ سے گلے لگانے لگے۔ میں نے انہیں بتایا۔ ''ہم نے مجسٹریٹ کے روبرو بیان دے کر جواد کے خلاف قانونی کارروائی شروع کرائی ہے۔ تم بھی میرے وکیل کے ذریعے اس کے خلاف بیان دو کہ اس نے ذاتی دشمنی کی بنا پر تمہاری بہن کو اغوا کرایا تھا۔''

وہ تھانے دار کو پہلے ہی گالیاں دیتے رہے تھے۔ اب اس کے خلاف قانونی کارروائی کا موقع ہاتھ آیا تھا۔ شکوریا اور اس کے باپ نے یعنی میرے پھوپھا وغیرہ نے بھی وقت بے وقت جواد کے ظالمانہ رویے اور رشوت خوری کے خلاف بیان داخل کیا۔

ایک اعلیٰ پولیس افسر کے دفتر میں جواد سے ہمارا سامنا ہوا۔ اس کا رعب اور دبدبہ ختم ہو چکا تھا، سر جھکا ہوا تھا۔ کیونکہ وہاں سختی سے اس کا محاسبہ کیا جارہا تھا۔ شینا اور سلامت رو رو کر بیان دے رہے تھے کہ وہ تھانے دار کس طرح انہیں زبردستی اٹھا کر ان پر ٹارچر کرتا رہا تھا۔

بہرحال اس کی شامت آچکی تھی۔ اسے عارضی طور پر معطل کیا جارہا تھا۔ ہم سب کو اس سے نجات مل چکی تھی۔ جب شینا ہمارے ساتھ چک پہنچی تو اسے دیکھنے کے لیے پورا گاؤں امڈ آیا۔ چاچا کھا اور روبینہ کے چار بھائی جانتے تھے کہ وہ تھانیدار کے قبضے میں ہے۔ وہ حیران ہو رہے تھے کہ شینا اس کے قبضے سے کیسے نکل آئی ہے اور وہ تھانے دار کہاں گم ہو گیا ہے؟

ہم نے بتایا کہ اس کے خلاف قانونی کارروائی ہو رہی ہے۔ اس نے شینا کو اغوا کرایا تھا اور تینوں بھائیوں کے خلاف اس سے زبردستی بیان لینا چاہتا تھا۔ اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ وہ تینوں بے قصور ہیں اور جواد آئندہ کبھی یہاں تھانے دار بن کر جھوٹے الزامات عائد کرنے اور مظالم ڈھانے نہیں آئے گا۔

ہم حالات کے ایک عجیب موڑ پر آگئے تھے۔ ایک ہی خاندان سے تعلق رکھنے اور ایک ہی لہو سے منسلک ہونے کے باوجود پہلے ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ شینا اغوا کے بعد واپس آئی تو دشمنی اچانک ہی دوستی اور پیار و محبت میں بدل گئی۔

شکوریا، باسو اور کاچھی نے عینی کے بزرگوں اور اپنے بزرگوں کے سامنے کہا۔ ''ہماری دشمنی کی سب سے اہم وجہ عینی کی طلب تھی۔ ہم سب ہی اسے اپنی شریک حیات بنانا چاہتے تھے۔ آج یہ جھگڑا ختم کر رہے ہیں۔ اپنے تمام بزرگوں سے درخواست کرتے ہیں کہ عینی اور بلال کی نسبت طے کر دیں۔ ہم تمام بھائی خوش ہو کر بھنگڑا ڈالیں گے۔''

میری پھوپھی نے، دونوں پھپھیوں، چچا اور ان کے

تینوں بیٹوں نے میرے خلاف سازش کی تھی۔ روبینہ کی زندگی برباد کردی تھی۔ اب وہ اس جرم اور شرمناک واردات کو قصۂ پارینہ بنا کر بھلا رہے تھے، جیسے روبینہ مٹی کا کیڑا ہو۔ اسے پیروں تلے کچل کر جانا کوئی بات نہ ہو۔

یہ انسانیت اور شرافت نہیں تھی۔ اس کے باوجود میں دل پر جبر کر کے بظاہر ان سے سمجھوتا کر رہا تھا۔ یوں سمجھوتا کرنے سے عداوتیں ختم ہو رہی تھیں۔ امن و امان قائم ہو رہا تھا مگر ضمیر مطمئن نہیں تھا۔ ایک مظلوم عورت کی خاموشی میرے اندر چیخ رہی تھی اور ظلم کرنے والے آنکھوں کے سامنے تھے۔ میں انہیں نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔ یہ طے کر چکا تھا کہ شرمناک جرم کرنے والوں کو زیادہ دنوں تک بھنگڑا ڈالنے نہیں دوں گا۔

حشمت سمجھ رہا تھا کہ اس کے سر سے خطرہ ٹل گیا ہے۔ ہم سب نے صلح صفائی کے ذریعے اس کی بدکاری پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اب کوئی اس کا محاسبہ کرنے اور اسے سزا دینے والا نہیں رہا ہے۔

میں نے پھوپھی اور چچی سے کہا۔ ”میری امی اور میری بہن چھانو کو یہ معلوم نہ ہو کہ حشمت نے کتنا بڑا گناہ کیا ہے۔ معلوم ہوگا تو امی ایسے داماد کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کریں گی اور چھانو اپنے بدکار شوہر کا منہ نہیں دیکھنا چاہے گی۔ اپنے بچوں کی خاطر اسے برداشت کرے گی۔ اس کے باوجود اس کی ازدواجی زندگی تلخ ہو جائے گی۔“

اس واردات سے تعلق رکھنے والی پھوپھی اور دوسرے بزرگوں نے وعدہ کیا کہ امی اور چھانو کو حشمت کی کمینگی اور ذلالت کے متعلق کبھی کچھ نہیں بتایا جائے گا۔ میرے سامنے بھید کھلنے کے بعد حشمت نے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی۔ شکوریا' کاچھی' باسو اور ان کے بزرگوں نے اس کی سفارش کی۔ میں نے بظاہر تین دشمنوں کو معاف کر دیا تھا۔ لہٰذا حشمت کو بھی معاف کر کے اسے بھی ڈھیل دے دی۔ بعد میں سب ہی کی رسیاں کھینچنے والا تھا۔

جاکھا اور روبینہ کے بھائیوں کو پورا یقین تھا کہ وہ اصل مجرموں تک پہنچنے ہی والے ہیں۔ ایسے وقت میں نے تھانے دار کو قانونی شکنجے میں پہنچا کر انہیں مایوس کیا تھا۔ روبینہ کے بڑے بھائی نے مجھ سے کہا۔ ”تم نے اپنے خاندان کی نیک نامی برقرار رکھنے کے لیے مجرموں کو گرفت میں آنے سے بچالیا ہے۔ کیا تمہارا ضمیر تمہیں ملامت نہیں کر رہا ہے؟“

میں نے کہا۔ ”ہم میں سے کسی نے شکوریا' کاچھی اور باسو کو شرمناک جرم کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ ان کے خلاف کہیں سے کوئی ثبوت نہیں مل رہا ہے۔ پھر بھی وہ مجرم ہیں تو ہم تم انہیں سزا نہیں دے سکتے۔ وہ قانون کی گرفت میں کبھی نہیں آسکتے۔ میں نے ان کا فیصلہ خدا پر چھوڑ دیا ہے۔ تم بھی صبر کرو۔ یا پھر انہیں ثبوت اور گواہوں کے ساتھ پکڑو۔“

جاکھے نے کہا۔ ”تمہیں ایب نارمل یا خبطی کہا جا رہا تھا مگر تم بہت چالاک ہو۔ عینی کو حاصل کرنے کے لیے شکوریا باسو اور کاچھی سے تمہارا جھگڑا چل رہا تھا۔ ان تینوں سے تمہارا معاہدہ ہو گیا ہے۔ وہ عینی سے تمہارے حق میں دستبردار ہو جائیں گے۔ اسی لیے تم لوگوں کی پرانی دشمنی اچانک ختم ہو گئی ہے۔“

میں نے کہا۔ ”تم لوگ میرے خلاف کچھ بھی سوچ سکتے ہو۔ مجھے خبطی بھی سمجھ سکتے ہو اور چالباز بھی۔ سچ کیا ہے؟ یہ صرف خدا ہی جانتا ہے۔ ہم تمہاری شادی میں چار دنوں کے لیے آئے تھے۔ آج یہاں سے جا رہے ہیں۔“

ہمارا پورا خاندان وہاں سے واپس چلا آیا۔ دوسرے دن میں اپنے بڑے ماموں سے ملنے ان کے چک پہنچا۔ وہاں دوسرے ماموں بھی تھے۔ انہوں نے میری پیشانی کو چوم کر گلے لگایا پھر کہا۔ ”اچانک کیسے آئے ہو؟ کم از کم فون پر اپنے آنے کی اطلاع تو دے دیتے۔“

دوسرے ماموں نے گلے لگاتے ہوئے کہا ”معلوم ہوتا ہے، ہمارا بھانجا چھپ چھپا کر آیا ہے۔ بھئی سچ بولو ہماری بہن کو بتا کر آئے ہو یا نہیں؟“

میں نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”سچ یہی ہے۔ سمجھ لیں، چھپ کر آیا ہوں۔ امی اور چھانو کو نہیں بتایا ہے۔“

انہوں نے سنجیدگی سے مجھے دیکھا پھر پوچھا۔ ”بات کیا ہے؟“

میں نے جاکھے کے گھر میں دلہن کے ساتھ ہونے والی رُوداد سنائی۔ حشمت اور ان تینوں مجرموں کے متعلق بتایا۔ شینا کے اغوا اور تھانے دار کو قانونی شکنجے میں پھنسانے والی ساری تفصیلات بیان کیں پھر کہا۔ ”اس طرح ان تینوں سے اور پھوپھی، چچی، چچا وغیرہ سے دشمنی ختم ہو گئی ہے۔ ہمارے چک میں اور ہماری زندگی میں امن و امان رہے گا۔ لیکن مجرموں کو قرار واقعی سزا نہیں ملے گی۔ روبینہ ہم سب کی بہن اور بیٹی ہے۔ اس کے ساتھ انصاف ہونا چاہیے۔“

انہوں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ ”بے شک۔ انہیں سزائیں ملنی چاہئیں۔ پر تم نے تو ان مجرموں کو گلے لگایا ہے۔“

”میں ایسے مجرموں کو گلے لگا کر ان کے گلے کاٹنا چاہتا ہوں۔“

وہ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ میں نے کہا۔ ”ہمارے ملک میں ایسے بے شمار مجرم ہیں جن کے خلاف نہ کوئی ثبوت ملتا ہے۔ نہ ہی چشم دید گواہ ہوتے ہیں۔ وہ سیاسی مجرم ہوتے ہیں جو ملک سے باہر جا کر پناہ لیتے ہیں۔ پھر حالات سازگار ہوتے ہی واپس چلے آتے ہیں۔ ان کے دامن سے بدترین جرائم کے داغ دھبے دھل جاتے ہیں۔ وہ قانون کی گرفت سے آزاد ہو جاتے ہیں اور ہم ان کا کچھ بگاڑ نہیں پاتے۔“

ایک ماموں نے سر ہلا کر کہا۔ ”ٹھیک کہتے ہو۔ حشمت، شکوریا، باسو اور کاچھی بھی ایسے ہی مجرم ہیں، جو کبھی قانون کی گرفت میں نہیں آئیں گے۔ تم کہو گے تو ہم ان کے ہوش اڑا دیں گے۔“

”میں یہی کہنے آیا ہوں۔ ان کے خلاف جو بھی واردات ہوگی، وہ پُراسرار طور پر ہوگی تو کوئی ہم پر شبہ نہیں کرے گا۔ ہم کبھی پکڑے نہیں جائیں گے۔“

جرائم کی دنیا میں ایک مجرم سکندر بخت ہے، جو کبھی پکڑا نہیں جاتا۔ مجھے سکندر بخت نہیں بننا تھا اور نہ ہی میں کوئی جرم کرنے جا رہا تھا۔ گرفت میں نہ آنے والوں کو سزا دے کر اپنا فرض ادا کرنا چاہتا تھا۔

ماموؤں کے ساتھ یہ پلاننگ ہوگئی کہ کس طرح انہیں سزائیں دی جائیں گی؟ میں تمام معاملات طے کر کے وہاں سے چلا آیا۔ یہ خبر ملی کہ جاکھے نے روبینہ کو قبول نہیں کیا ہے۔ اس کے بھائیوں سے اچھا خاصا جھگڑا ہو چکا ہے۔ وہ واپس میکے چلی گئی ہے۔

روبینہ جیسی لٹ جانے والی لڑکیوں کی زندگی کیا ہوتی ہے؟ وہ پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ میکے واپس جائے گی تو وہاں بھی بھائی اور بھابیاں اسے طعنے دے دے کر مار ڈالیں گے۔ اس نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا تھا کہ لاہور میں اپنی پھوپھی کے پاس جا کر رہے گی اور کہیں جاب کر کے اپنے بل پر زندگی گزارے گی۔

رات کو عینی نے فون پر پوچھا۔ ”آج صبح کہاں گئے تھے؟ سنا ہے، ابھی۔ واپس آئے ہو؟“

”میں بڑے ماموں سے ملنے گیا تھا۔ واپسی میں جاکھے سے ملتا ہوا آیا۔ پتا چلا، روبینہ کو واپس میکے بھیج دیا گیا ہے۔“

عینی نے کہا۔ ”ہاں میں نے بھی سنا ہے۔ بہت دکھ ہو رہا ہے۔ بیچاری ارمانوں سے لدی ہوئی آئی تھی۔ خالی ہاتھ ایسے گئی، جیسے سہاگ کی سیج پر پہنچتے ہی بیوہ ہوگئی ہو۔“

میں نے پوچھا۔ ”عینی! کیا ہم اس کے لیے کچھ کر سکتے ہیں؟“

”ہم کیا کر سکتے ہیں؟ میں وہاں تین دن تک رہی ہوں۔ اس سے بڑی محبت اور اپنائیت ہوگئی ہے۔ ہم نے ایک دوسرے کو اپنا پتا اور فون نمبر لکھ کر دیا تھا۔ وعدہ کیا تھا کہ بعد میں بھی ہماری دوستی رہے گی۔“

”میں چاہتا ہوں، تمہاری اس سے دوستی رہے۔ میں تمہارے تعاون سے اسے اپنی بہن بنا کر اس کے کام آسکتا ہوں۔“

”یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ میں روبینہ سے بات کروں گی۔“

”ضرور بات کرو۔ کل رات مجھے بتاؤ کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟ ابھی اس کا موجودہ پتا اور فون نمبر بتاؤ؟“

عینی نے اپنی ڈائری میں دیکھ کر اس کا فون نمبر اور پتا لکھوا دیا۔ میں سوچنے لگا کہ کس طرح اس کے کام آسکتا ہوں؟ ایک تو اس طرح کام آرہا تھا کہ اس کے مجرموں کو جلد ہی سزا دینے والا تھا پھر یہ چاہتا تھا کہ سزا پانے والوں کی رُوداد روبینہ کو بھی معلوم ہوتی رہے۔ کسی حد تک اس کا کلیجا ٹھنڈا ہوتا رہے۔

دوسری رات عینی نے فون پر کہا۔ ”روبینہ تم سے بدظن ہے۔ تم نے شینا کی عزت بچائی، اچھا کیا لیکن اس کے بھائیوں کو سزا سے بچا کر ایک لٹ جانے والی بے یارو مددگار لڑکی پر ظلم کیا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”ہاں۔ جاکھے کے گھر والے اور روبینہ کے میکے والے سب ہی مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔“

وہ بولی۔ ”میں نے روبینہ کو سمجھایا ہے کہ تم ثبوت اور گواہوں کے بغیر ان تینوں کو مجرم نہیں کہہ سکتے تھے۔ روبینہ جانتی ہے، ہم دونوں کی نسبت طے ہونے والی ہے۔ اس لیے وہ میرے سامنے تمہارے خلاف کچھ بولنے سے کتراتی ہے۔“

میں نے کہا۔ ”کوئی بات نہیں۔ میں دعا کروں گا کہ میری طرف سے جو غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے وہ جلد ہی ختم ہو جائے۔“

ایسے وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ میری امی نے کہا۔ ”بیٹے! باہر آؤ۔ غضب ہوگیا ہے۔ شکوریا کو کسی نے گولی مار دی ہے۔“

میں نے فون پر عینی سے پوچھا۔ ”تمہیں امی کی آواز سنائی دے رہی ہے؟ وہ کہہ رہی ہیں، کسی نے شکوریا کو گولی ماری ہے۔ معلوم ہوتا ہے، ہمارے چک کا امن و امان پھر غارت ہونے والا ہے۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔“

میں نے عینی سے رابطہ ختم کر کے دروازہ کھولا۔ امی جو سنانے آئی تھیں۔ اس کے متعلق میں پہلے سے جانتا تھا۔ میری چچی یعنی شکوریا کی ماں بھی آئی تھی۔ کہہ رہی تھی۔ ”وہ کھیتوں میں پانی دینے گیا تھا۔ کھیت کے مزدوروں نے بتایا کہ کچھ لوگ بندوقیں لے کر آئے تھے۔ وہ کچھ کہے سنے بغیر شکوریا کو گولی مار کر چلے گئے۔“

گولی اس کی کمر پر لگی تھی۔ وہ زندہ تھا۔ باسو، کاچھی، چچا اور پھوپھا اسے اوکاڑہ کے اسپتال لے گئے تھے۔ باقی رشتے دار کھیت مزدوروں سے معلوم کر رہے تھے کہ وہ مسلح افراد کون تھے؟ دیکھنے میں کیسے تھے؟ ان کا حلیہ کیسا تھا؟

جواب ملا کہ وہ شلوار قمیص پہنے ہوئے تھے۔ منہ پر ڈھاٹے بندھے تھے۔ تعداد میں تین تھے۔ پتا نہیں رات کے اندھیرے میں کہاں سے آئے تھے؟ پھر گولی مار کر اسی اندھیرے میں نہ جانے کہاں گم ہوگئے؟ کوئی ان مسلح افراد کا تعاقب کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔

ان کے بیان سے ایک بات پکڑی گئی کہ وہ مسلح افراد تعداد میں تین تھے۔ پھوپھی نے کہا۔ ”روبینہ کے تین بھائی ہیں۔“

سب ہی نے چونک کر پھوپھی کو دیکھا۔ پھر تائید میں سر ہلایا۔ شکوریا کی ماں نے کہا۔ ”اور وہ تینوں میرے بیٹے کے دشمن ہیں۔ انہوں نے اسے پھانسنے کے لیے میری شینا کو اغوا کیا تھا۔ آج اسے گولی مار کر چلے گئے۔“

وہ رونے لگی۔ میری امی نے کہا۔ ”خدا کا شکر ادا کرو کہ بیٹا بچ گیا ہے۔ اللہ نے چاہا تو کل اسپتال سے گھر آجائے گا۔“

آدھی رات گزر چکی تھی۔ میں نے گھر واپس آکر اپنے کمرے میں پہنچ کر دروازے کو اندر سے بند کیا۔ اٹیچی کھول کر ایک سم نکالی۔ وہ میرے پاس فاضل رکھی ہوئی تھی، اب کام آنے والی تھی۔ میں نے اسے اپنے فون میں لگایا۔ اپنی آواز میں تبدیلی لانے کے لیے کاغذ کا ایک چھوٹا سا گولا بنا کر اسے منہ میں رکھا پھر چچا کا نمبر پنچ کرنے لگا۔

وہ بیٹے کے پاس اسپتال میں تھا۔ فون پر اس کی آواز سنائی دی۔ میں نے حلق اور ناک سے آواز نکالتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا بیٹا بچ گیا ہے؟“

چچا نے پوچھا۔ ”کون ہو تم۔۔۔؟“

میں نے کہا۔ ”موت کا فرشتہ ہوں۔ کبھی کبھی جان سے نہیں مارتا۔ آدھی جان لے کر سچ بولنے کے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔ تمہارا بیٹا سچ بولے گا۔ اپنا جرم قبول کرے گا تو دوسری گولی نہیں چلے گی۔“

اس نے پوچھا۔ ”تم۔۔۔ کیا تم وہی گولی مارنے والے دشمن ہو؟ کون ہو تم؟ ہم سے کیا دشمنی ہے؟“

میں نے کہا۔ ”روبینہ سے کیا دشمنی تھی؟ کوئی دشمنی نہیں تھی ناں؟ پھر بھی اسے برباد کر دیا گیا۔“

”میرے بیٹے نے اسے برباد نہیں کیا ہے۔ کیا تم روبینہ کے بھائی ہو؟“

”میں کہہ چکا ہوں‘ موت کا فرشتہ ہوں۔ اپنے بیٹے کو اس وقت تک واپس نہ لانا۔ جب تک وہ تھانے میں جا کر اقرارِ جرم نہ کر لے۔ یاد رکھو! اس کے بعد کاچھی اور باسو کی شامت آنے والی ہے۔“

میں نے فون بند کر دیا۔ اس کی سم نکال کے رکھ دی۔ پھر آرام سے بستر پر لیٹ گیا۔ بڑا سکون مل رہا تھا۔ اب دشمنوں کو سچ بولنا تھا۔ نہ بولنے والوں کے آگے موت تھی۔

ادھر اسپتال میں ایک سب انسپکٹر موجود تھا۔ شکوریا کا بیان لینے کے لیے اس کے ہوش میں آنے کا منتظر تھا۔

چچا نے اس سے کہا۔ ”ابھی ایک دشمن نے فون پر دھمکی دی ہے کہ میرے بیٹے کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ میرے دوسرے بھانجے بھتیجے کو بھی مار ڈالنے کی بات کر رہا تھا۔“

سب انسپکٹر نے اس سے فون لے کر کال کرنے والے کا نمبر دیکھا۔ اس نمبر کو نوٹ کیا پھر رابطہ کرنا چاہا تو مایوسی ہوئی۔ اس نے چچا سے پوچھا۔ ”کیا فون کرنے والے کو پہچانتے ہو؟“

”نہیں۔ وہ آواز بنا کر بول رہا تھا۔ اس کی باتوں سے معلوم ہوگیا ہے، یقیناً وہ روبینہ کے بھائیوں میں سے کوئی ایک تھا۔“

”وہ کون لوگ ہیں؟ ان کے نام اور پتے بتاؤ؟“

”ان کے نام اشرف، اسد اور مجید ہیں۔ وہ بھاولپور کے رہنے والے ہیں۔ میں ابھی ان کا پتا معلوم کرتا ہوں۔“

چچا نے جاکھے سے فون پر رابطہ کیا پھر کہا۔ ”تمہارے کسی سالے نے میرے بیٹے شکوریا کو گولی ماری ہے۔ ہم ابھی اوکاڑہ کے اسپتال میں ہیں۔ یہاں انسپکٹر صاحب سے

بات کرواور اپنے سالوں کا پتا اور فون نمبر بتاؤ۔"

جاکھے نے انسپکٹر سے بات کی۔ ان سب کے فون نمبر اور پتے بتائے۔ انسپکٹر نے بھاولپور کی پولیس سے رابطہ کیا اور کہا۔ "اب سے چار گھنٹے پہلے چک پینتالیس میں ایک بندے کو گولی ماری گئی ہے۔ تین وارداتیے منہ پر ڈھاٹا باندھ کر آئے تھے۔ ان میں سے کسی نے فون کر کے مزید بندوں کو گولی مارنے کی دھمکی دی ہے۔ میں ان کے فون نمبرز اور پتے بتا رہا ہوں۔ آپ ان کے متعلق صحیح معلومات حاصل کر سکیں گے۔"

اس نے روبینہ کے تینوں بھائیوں کے نام، پتے اور فون نمبر نوٹ کرا دیے۔ ایک گھنٹے بعد بھاولپور کے ایک پولیس افسر نے کہا۔ "یہ تینوں بندے یہاں موجود ہیں۔ وہ اس شہر تو کیا، اپنے گھر سے بھی باہر نہیں گئے۔ اگر جاتے تو چار گھنٹے میں واردات کر کے واپس نہیں آسکتے تھے۔ یہاں سے چک پینتالیس تک جانے آنے میں کئی گھنٹے لگتے ہیں۔"

یہ ثابت ہو رہا تھا کہ ان تینوں نے شکوریا کو نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ اس فون نمبر کے متعلق معلومات حاصل کی جا رہی تھیں۔ جس کے ذریعے میں نے دھمکیاں دی تھیں۔ وہ سم میرے نام اور میری آئی ڈی سے خریدی ہوئی نہیں تھی۔ وہ مجھ تک پہنچ نہیں سکتے تھے۔

وہ سب بھٹک رہے تھے۔ جواد کے معطل ہونے کے بعد دوسرا تھانے دار بشیر بابر آیا تھا۔ وہ اپنے طور پر انکوائری کر رہا تھا۔ روبینہ کے تینوں بھائی وہاں سے بہت دور بھاولپور میں تھے۔ شکوریا پر حملہ ہوا تھا۔ وہ خوش ہو رہے تھے اور حیران بھی تھے کہ وہ کون ہے، جو ان کی بہن کے حوالے سے آئندہ کاچھی اور باسو کو بھی گولی مارنے کی دھمکیاں دے چکا ہے؟

ان چاروں نے بشیر بابر کے پاس آکر روبینہ کی بربادی سے لے کر شینا کے اغوا ہونے تک کی روداد سنائی۔ یہ بتایا کہ پچھلا تھانے دار جواد ان تینوں مجرموں کو گرفتار کرنے والا تھا۔ مگر اس نے شینا کو اغوا کرانے کا غلط راستہ اختیار کیا تھا۔ اسی لیے وہ تینوں مجرم ہونے کے باوجود قانون کی گرفت میں نہیں آرہے ہیں۔

بابر نے پوچھا۔ "یہ کون ہو سکتا ہے، جو شکوریا کو زخمی کر کے باسو اور کاچھی کو دہشت زدہ کر کے اقبالِ جرم کرا رہا ہے؟ ایک طرح سے وہ قانونی تقاضے پورے کر رہا ہے۔ ہماری مدد کر رہا ہے۔ کسی طرح معلوم کرو وہ کون ہے؟"

شکوریا اسپتال میں تھا۔ چچا نے بشیر سے کہا۔ "میرے بیٹے کو اسپتال سے چھٹی ملے گی۔ پر اس نامعلوم دشمن نے دھمکی دی ہے کہ شکوریا اقبالِ جرم کیے بغیر گھر آئے گا تو اسے گولی ماردی جائے گی۔"

بشیر بابر نے کہا۔ "تم باپ بیٹے سوچو، اقبالِ جرم کرو گے یا خطرہ مول لے کر گھر جاؤ گے؟"

کاچھی نے کہا۔ "جنابِ عالی! شکوریا نے اور ہم نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ کوئی ہمیں زبردستی مجرم ثابت کرنا چاہتا ہے۔ جو گناہ ہم نے نہیں کیا ہے، اسے کیسے قبول کر سکتے ہیں؟"

"نہیں کیا ہے تو قبول نہ کرو۔ شکوریا کو اسپتال سے لے جاؤ۔ میں تمہارے گھر کے سامنے دو سپاہیوں کی ڈیوٹی لگا دوں گا۔ میں بھی آتا جاتا رہوں گا۔ دیکھوں گا کہ کون تم لوگوں پر حملہ کرنے آتا ہے؟"

"جناب! وہ تینوں رات کے اندھیرے میں آئے تھے۔ ایک نے گولی چلائی تھی۔ پھر آگے جا کر اسی اندھیرے میں گم ہو گئے تھے۔ آئندہ بھی وہ کب آئیں گے؟ ہمیں کہاں گھیریں گے؟ ہم نہیں جانتے۔ ہم تو دھوکے میں مارے جائیں گے۔"

"ایسا تو موت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کب آئے گی؟ کہاں ہمیں گھیرے گی؟ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔ اچانک ہی بم دھماکے ہوتے ہیں۔ کوئی خودکش حملہ آور ایک دم سے آتا ہے۔ سانس لینے والوں کو سوچنے کی بھی مہلت نہیں ملتی اور زندگی تمام ہو جاتی ہے۔ تم سب یہاں سے جاؤ۔ کہیں بھی جاؤ اور موت سے ڈرتے رہو۔"

وہ بے بسی سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ تھانے دار بشیر بابر نے کہا۔ "ذرا عقل سے سوچو ڈر لگ رہا ہے تو کیا کرو گے؟ نہ دن رات یہاں تھانے میں بیٹھے رہ سکتے ہو اور نہ وہ شکوریا باقی زندگی اسپتال میں گزار سکتا ہے۔ گھر تو جانا ہی ہوگا۔"

بے شک وہ گھر سے باہر نہیں رہ سکتے تھے۔ دوسرے دن شکوریا کو گھر لے آئے۔ یہ فیصلہ کیا کہ وہ تینوں فی الحال اس چار دیواری سے باہر نہیں نکلیں گے۔ حملہ کرنے والے اتنے بے باک نہیں ہو سکتے کہ گھر میں گھس آئیں؟ اگر آئیں تو زندہ واپس نہیں جائیں گے۔

وہ گھر کی چار دیواری میں کب تک رہ سکتے تھے؟ زراعت کے مختلف شعبوں میں کسی نہ کسی کام سے جانا پڑتا تھا۔ غلہ منڈی کے تاجروں سے صرف فون پر رابطہ نہیں رکھ سکتے تھے۔ بازار کے اترتے چڑھتے بھاؤ کے مطابق منڈی میں جانا ضروری ہو جاتا تھا۔

وہ ایک ہفتے تک اپنے گھروں میں چھپے رہے۔ یہ اندیشہ تھا کہ شکوریا اقبالِ جرم کیے بغیر گھر آیا ہے۔ میری دھمکی کے مطابق ان تینوں میں سے کسی ایک پر حملہ ہوگا۔ مگر ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ خوف کم ہو رہا تھا۔ اب تک دھمکی پر عمل نہیں کیا گیا تھا۔ کسی نے فون بھی نہیں کیا تھا۔ ان کے اندر حوصلہ پیدا ہوا تو وہ گھر سے باہر نکلنے کے لیے اپنی اپنی رائفل لوڈ کرنے لگے۔

میں چھت پر ایک دیوار کی آڑ میں چھپا ہوا تھا۔ وہاں سے ان تینوں کے گھر نظر آرہے تھے۔ شکوریا کی کمر پر گولی کا ایسا گہرا زخم تھا کہ وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ بستر پر اوندھا پڑا رہتا تھا۔ اس وقت کاچھی اور باسو اپنی اپنی رائفلیں لیے باہر آئے۔

میں نے کاچھی کا نمبر ملایا۔ میری ایک داڑھ میں کاغذ کا چھوٹا سا گولا تھا۔ ادھر رابطہ ہونے پر کاچھی نے فون کو کان سے لگایا۔ میں نے حلق اور ناک سے آواز نکالتے ہوئے کہا۔ "آخر سانپ بل سے نکل آئے۔ آؤ۔۔۔ ذرا اور آگے بڑھو۔"

کاچھی نے ایک دم خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ پھر باسو کو دھکا دیتے ہوئے چیختے ہوئے کہا۔ "اندر چلو۔۔۔ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔"

وہ دونوں بوکھلا کر گرتے پڑتے اندر چلے گئے۔ میں چھت سے اتر کر اپنے کمرے میں آگیا۔ دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے بولا۔ "ارے یہ کیا۔۔۔؟ پھر بل میں گھس گئے؟ اسلحہ ہوتے ہوئے بھی ڈر رہے ہو؟"

کاچھی نے دھاڑتے ہوئے کہا۔ "بزدل! کمینے! کیا چھپ کر حملے کر رہا ہے؟ ماں کا دودھ پیا ہے تو سامنے آ۔۔۔"

"آیا تو ہوں۔ اتنے قریب آکر بلا رہا ہوں اور تم چھپ رہے ہو۔ بزدل کمینے تو تم ہوئے۔ تھو ہے تم پر۔۔۔ دیکھتا ہوں، کب تک باہر نہیں آؤ گے؟"

میں نے فون بند کر کے سم بدل دی۔ حشمت گھبرایا ہوا تھا۔ اس نے فون پر مجھے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "تم کہاں ہو؟ ابھی کاچھی اور باسو پر کہیں سے گولی چلنے والی تھی۔ وہ نامعلوم دشمن ہمارے محلے میں پہنچا ہوا ہے۔"

میں نے کہا۔ "میں اپنے کمرے میں ہوں۔ تم کہاں ہو؟"

"میں کاچھی کے پاس ہوں۔ ہم تھانے دار بشیر کو اطلاع دے رہے ہیں۔ تم بھی آجاؤ۔"

"میں ابھی چھت پر جا کر دیکھتا ہوں شاید وہ دشمن نظر آجائے۔ تم بھی چھت پر آجاؤ۔"

"نہیں۔ وہ مجھے دیکھتے ہی گولی چلائے گا۔ میں چھت پر نہیں آؤں گا۔"

میں نے کہا۔ "حشمت! تم دیکھ رہے ہو، وہ نامعلوم دشمن صرف شکوریا، کاچھی اور باسو کے پیچھے پڑا ہے۔ تمہیں مجرم کی حیثیت سے نہیں جانتا۔ اس نے اب تک نہ تمہارا نام لیا ہے اور نہ تمہیں دھمکی دی ہے۔"

اس نے کہا۔ "کچھ بھی ہو۔ میں ابھی باہر نہیں آؤں گا۔"

میں سیڑھیاں چڑھتا ہوا چھت پر آکر بولا۔ "میں اس وقت چھت پر ہوں۔ دور دور تک دیکھ رہا ہوں۔ وہ دو سپاہی جو گھر کے سامنے ڈیوٹی پر رہتے ہیں۔ وہ ادھر ادھر گلیوں میں جا کر اس دشمن کو تلاش کر رہے ہیں۔ مجھے تو کوئی ایسا بندہ نظر نہیں آرہا ہے جس پر کسی طرح کا شبہ کیا جا سکے۔"

تھانے دار بشیر بابر آدھے گھنٹے میں وہاں پہنچ گیا۔ ایک سپاہی نے کہا۔ "ادھر کھیت مزدور نے ایک شخص کو موٹر سائیکل پر جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ شاید اسی نے فون پر دھمکی دی ہو۔"

یہ سوچا جا رہا تھا کہ وہی ہوگا۔ جبکہ وہ ایک مسافر تھا۔ ادھر سے گزر رہا تھا۔ فی الحال اسی پر شبہ کیا جا رہا تھا۔ سب یہی کہہ رہے تھے کہ اس موٹر سائیکل والے نے چھپ کر کاچھی اور باسو کو دیکھا تھا۔ پھر فون کال کے ذریعے دہشت زدہ کر کے وہاں سے جا چکا ہے۔

بہر حال وہ پھر گھر کی چار دیواری میں قید ہو گئے۔ تھانے دار نے انہیں حوصلہ دیا۔ ان سے کہا۔ "میرے ساتھ باہر چلو۔ جو آیا تھا، وہ جا چکا ہے۔ اپنے کارندوں کو ساتھ رکھو۔ وہ دشمن تمہاری طرف نہیں آسکے گا۔"

باسو نے کہا۔ "کہیں سے کوئی اندھی گولی آئے گی اور ہماری زندگی چاٹ جائے گی۔ بعد میں اسے آپ گرفتار کریں گے۔ ہم تو اپنی جان سے جا چکے ہوں گے۔"

وہ باہر نکلنے کا حوصلہ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ بشیر بابر تھانے کے سپاہیوں کو زیادہ دنوں تک ان کی پہرے داری کے لیے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ وہ انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔ انہوں نے کھیت مزدوروں کو حکم دیا کہ وہ دن رات باری باری وہاں لاٹھیاں اور گنڈاسے لیے باہر پہرا دیتے رہیں گے اور بھری بندوقیں اپنے ساتھ رکھیں گے۔

دوسرے دن بڑے ماموں نے فون پر پوچھا۔ "وہ مرغے کہاں ہیں؟ ہمارے شکاریوں کو باہر دکھائی نہیں دے رہے ہیں؟"

میں نے کہا۔ ”آپ کے آدمیوں نے شکوریا کو ناکارہ بنادیا ہے۔ وہ بستر پر اوندھا پڑا رہتا ہے۔ کاچھی اور باسو بری طرح سہمے ہوئے ہیں۔ ان کا انتظار کرنا ہوگا۔ وہ ساری زندگی چار دیواری میں نہیں رہ سکیں گے۔ میرے پھوپھا اور چچا اپنے بیٹوں کا کام نمٹانے کے لیے منڈی جاتے ہیں۔ آپ انہیں منڈی اور دوسری جگہ جانے سے روکیں۔“

دوسرے دن پھوپھا اور دونوں چچا منڈی سے واپس آرہے تھے شام کا اندھیرا اپھیل رہا تھا۔ ایسے وقت درختوں اور جھاڑیوں کے پیچھے سے تڑاتڑ فائرنگ شروع ہوگئی۔ انہیں ہلاک کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ گولیاں ان کے آس پاس سے گزر رہی تھیں۔ وہ دہشت زدہ ہوکر زمین پر اوندھے منہ گر پڑے۔

جھاڑیوں کے پیچھے سے کسی نے کہا۔ ”بیٹوں کا کام بیٹوں کو کرنے دو۔ آئندہ ان کے کام سے نکلو گے تو مارے جاؤ گے۔ چلو اٹھو اور یہاں سے دوڑتے ہوئے جاؤ۔“

وہ تینوں وہاں سے اٹھ کر بھاگتے ہوئے گھر پہنچے۔ اپنے بیٹوں کو ہانپتے کانپتے ہوئے بتایا کہ ان پر کس طرح گولیاں چلائی گئی تھیں؟ انہیں اس شرط پر زندہ چھوڑا گیا ہے کہ آئندہ وہ اپنے بیٹوں کے کام سے باہر نہیں نکلیں گے۔

اب تو دہشت اور بڑھ گئی۔ کبھی باہر نکلنے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے۔ میں نے آدھی رات کے بعد کاچھی سے فون پر کہا۔ ”یہ گھر تمہارا مقبرہ بن گیا ہے۔ جیتے جی مردہ ہو۔ مقبرے سے باہر نہیں نکل سکتے۔ میں کل سے تمہارے کھیتوں میں کسی کو کام نہیں کرنے دوں گا۔ تمہارے باپ اور پھوپھا کی طرح کھیت مزدور بھی فائرنگ سے خوف زدہ ہو جائیں گے۔ تمہاری زمینوں پر ٹریکٹر نہیں چلیں گے۔ فصل نہیں اُگے گی۔ اچھی طرح سوچ لو۔۔۔ تم سب کس طرح تباہ و برباد ہونے والے ہو؟“

کاچھی نے عاجزی سے کہا۔ ”ہمیں معاف کردو۔ ایسی دشمنی نہ کرو۔ ہم سے جو بھی غلطی ہوئی ہے، اس کی سزا کے طور پر ہم سے بھاری جرمانہ وصول کرلو۔“

”میں ایک ہی بات جانتا ہوں' روبینہ کے سلسلے میں اپنا جرم قبول کرو۔ تم تینوں کو اقبالِ جرم کے بعد ہی مجھ سے نجات ملے گی۔“

ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا۔ وہ جرم قبول کرتے تو قانون کی گرفت میں آتے۔ پھر جاکھا اور روبینہ کے بھائی ان پر تھوکتے۔ دو چار برس کی قید بامشقت کے بعد واپس آتے تو کسی سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہتے۔ وہ ایسی ذلت اور رسوائی برداشت نہیں کرسکتے تھے۔

میں نے ان کے گھر جاکر مشورہ دیا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے لاہور چلے جائیں۔ یہاں حبسِ بے جا سے نکل کر کھلی فضا میں سانسیں لیں۔ ورنہ بیمار پڑ جائیں گے۔

وہ تقریباً ایک ماہ سے چار دیواری میں قید رہ کر گھبرا گئے تھے۔ ذہن میں یہ بات آئی کہ لاہور جائیں گے تو دشمن سے دور نکل جائیں گے۔ اگر رازداری سے نکلیں گے تو دشمن کو خبر نہیں ہوگی۔

میں نے کہا۔ ”شکوریا کا زخم بھر گیا ہے۔ وہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہے۔ تم دونوں لاہور میں کسی حد تک محفوظ رہ کر اپنے انجانے دشمن کا سراغ لگا سکو گے۔“

وہ وہاں سے کسی بھی طرح بھاگ جانا چاہتے تھے۔ بزرگوں نے بھی یہی مشورہ دیا کہ راتوں رات چپ چاپ وہاں سے نکل جاؤ۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں انہیں لاہور تک چھوڑنے جاؤں۔ اتفاق سے میری امی بیمار تھیں۔ میں نے معذرت چاہی۔ انہیں بیماری کی حالت میں چھوڑ کر لاہور نہیں جاسکتا تھا۔ یہ طے پایا کہ آدھی رات کے بعد پھوپھا اور چچا ان کے ساتھ جائیں گے۔

میں نے بڑے ماموں کو اطلاع پہنچادی اور ادھر رات کو پھوپھا، چچا، کاچھی اور باسو کے ساتھ ان کے گھر میں رہا۔ آدھی رات کے بعد ہم نے باہر نکل کر دور تک دیکھا۔ انہیں تسلی دی کہ کوئی نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوگئے۔

میں نے گھر آکر اپنے کمرے میں پہنچ کر ماموں کو بتا دیا کہ وہ چاروں وہاں سے روانہ ہوچکے ہیں۔ میں ان کے خلاف سازش کر رہا تھا۔ ایسی ہی سازش وہ تینوں کبھی میرے خلاف کرتے رہے تھے۔ میرا ضمیر مطمئن تھا۔ میں اینٹ کا جواب پتھر سے دے رہا تھا۔

ان کے پاس ایک پرانی لینڈ کروزر تھی۔ چچا اسے ڈرائیو کررہے تھے۔ وہ چک سے نکل کر کھیتوں کے ایک درمیانی راستے سے گزر رہے تھے۔ ایسے وقت فائر کی آواز کے ساتھ ہی گاڑی ذرا سی ڈگمگائی پھر رک گئی۔ اس کا ایک پہیا بیکار ہوگیا تھا۔

وہ سہم کر کھڑکیوں کے پار دیکھنے لگے۔ سامنے ہیڈ لائٹس کی روشنی تھی۔ باقی دائیں بائیں اور پیچھے تاریکی تھی۔ کاچھی اور باسو نے اپنی اپنی رائفلیں سنبھال لیں۔ کھڑکیوں سے ذرا نیچے جھک گئے۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوششیں کرنے لگے۔ کہیں سے گولی چلتی تو وہ اسی سمت جوابی فائر کردیتے۔

وہ بری طرح خوفزدہ تھے۔ یہ بات سمجھ میں آگئی تھی کہ وہی فون کرنے والا پُراسرار دشمن حملہ کرنے آیا ہے۔ پتا نہیں، اس کے ساتھ کتنے مسلح افراد تھے؟ انہیں وہاں سے بچ کر جانے کی امید نہیں تھی۔ چچا نے چیختے ہوئے کہا۔ ”تمہیں خدا کا واسطہ ہے۔ دشمنی نہ کرو۔ ہمارے پاس نقدی ہے۔ یہ سب لے لو۔ ہمیں جانے دو۔“

ادھر اس کی بات ختم ہوئی، ادھر سے گولی چلی۔ اس کے ساتھ ہی چچا کے سر کے پاس کھڑکی کا شیشہ ایک چھناکے سے چکنا چور ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ایک چھوٹا سا آگ کا گولا گاڑی کے پاس آیا۔ وہ کپڑے کا گولا بنا کر اسے پیٹرول میں بھگو کر ان کی طرف پھینک رہے تھے۔ انہیں گاڑی سے باہر نکلنے پر مجبور کررہے تھے۔

دوسرا آگ کا گولا آکر گاڑی کے نیچے چلا گیا۔ باسو نے چیخ کر کہا۔ ”نیچے ٹینکی میں آگ لگے گی۔ یہاں سے نکلو۔“

وہ سب اپنی اپنی طرف کے دروازے کھول کر گاڑی سے دور بھاگنے لگے۔ کاچھی اور باسو دائیں بائیں فائر کرتے جارہے تھے۔ تاریکی میں کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ محض اپنی سلامتی کی خاطر اندھا دھند گولیاں چلا رہے تھے۔ پھر باسو کے ایک بازو میں اور پسلیوں میں جیسے انگارے بھر گئے۔ دو گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہوگئیں۔ وہ اوندھے منہ گر پڑا۔

پھوپھا نے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے وہاں سے دور لے جانے لگا۔ ایسے ہی وقت زوردار دھماکا ہوا۔ پیٹرول کی ٹینکی پھٹ گئی تھی۔ گاڑی فضا میں اچھل پڑی تھی اس کے پرخچے اڑ رہے تھے۔ چھوٹے بڑے ٹکڑے اڑتے ہوئے دور تک جارہے تھے۔ دھماکے کی آواز دور ہمارے چک تک آئی تھی۔

وہاں کے کتنے ہی افراد گھروں سے نکل آئے تھے۔ چھتوں پر چڑھنے والوں کو بہت دور آگ کے شعلے دکھائی دے رہے تھے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہاں کیا ہوچکا ہے؟ میں اپنی جیپ میں شکوریا کے باپ اور پھوپھی کو بٹھا کر ادھر جانے لگا۔ ہمارے کارندے اور چک کے کتنے ہی لوگ بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف دوڑے جارہے تھے۔

ہمارے علاقے کے لوگوں نے ایسا دھماکا پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ ایسی تباہی نہیں دیکھی تھی' جو وہاں نظر آرہی تھی۔ گاڑی کے ٹکڑے اڑتے ہوئے پتا نہیں کتنی دور تک گئے تھے؟ وہ چاروں دور بھاگنے میں ناکام رہے تھے۔ ادھر ادھر لاشوں کی طرح پڑے ہوئے تھے۔

باسو کے بازو اور پسلیوں میں گولیاں لگی ہوئی تھیں۔ وہ بے ہوش تھا۔ کاچھی کی دونوں ٹانگوں سے لہو بہہ رہا تھا۔ اس پر نیم بے ہوشی طاری تھی۔ اس کا باپ قریب ہی بے جان پڑا ہوا تھا۔ باسو کا باپ بھی بے جان دکھائی دے رہا تھا۔ مگر ابھی اس میں جان تھی۔

میں فون پر تھانے دار بشیر کو اس سانحے کی اطلاع دیتے ہوئے بولا۔ ”زخمیوں کو فوراً اسپتال پہنچانا ضروری ہے۔ میں انہیں اوکاڑہ لے جارہا ہوں۔ آپ فوراً جائے واردات پر پہنچیں۔ یہاں ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔“

میرے کارندوں نے کاچھی، باسو اور پھوپھا کو کسی طرح جیپ میں لٹایا۔ چچا کی لاش بعد میں جاسکتی تھی۔ میں تیزی سے جیپ ڈرائیو کرتا ہوا شہر کی طرف جانے لگا۔ صبح ہونے تک اوکاڑہ کے پولیس افسران الرٹ ہوگئے۔ وہاں سے جائے واردات تک پولیس کی گاڑیاں دوڑنے لگیں۔ معلوم کیا جارہا تھا کہ ایسی بھیانک واردات کس نے کی ہے؟ کیوں کی ہے؟ ایسی دہشت گردی کے اسباب کیا ہیں؟

اعلیٰ افسران کو دلہن روبینہ کی شرمناک بربادی سے لے کر موجودہ دھماکے تک ہونے والے تمام چھوٹے بڑے واقعات معلوم ہورہے تھے۔ کوئی بات چھپی نہیں رہی تھی۔ صرف یہ بات معلوم نہیں ہورہی تھی کہ ان تین مجرم بھائیوں سے اقبالِ جرم کرانے والا وہ پُراسرار شخص کون ہے؟

جاکھا اور روبینہ کے بھائیوں نے بیان دیا کہ وہ تینوں مجرم ہیں مگر ان کے خلاف ثبوت اور گواہ نہیں ہیں۔ کوئی دل جلا ہے، جو روبینہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا ایسا بھیانک انتقام لے رہا ہے۔

ایک اعلیٰ افسر کے حکم سے جاکھا اور روبینہ کے بھائیوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ یہ شبہ تھا کہ جاکھا اپنی کنواری دلہن کے لٹ جانے کے باعث ان تینوں کا دشمن بن گیا ہے اور وہ تینوں بھائی غیرت کے جوش میں بہن کی بربادی کا انتقام لے رہے ہیں۔

ویسے یہ محض مفروضہ تھا۔ یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ لوگ ان تینوں پر جان لیوا حملے کرتے آرہے ہیں۔ وہ پولیس والے اپنی روٹین اور اپنی صوابدید کے مطابق کمزوری کارروائیاں کررہے تھے۔ جاکھا اور روبینہ کے بھائی ضمانت پر رہا ہوکر آگئے۔

چچا کی موت پر پورے خاندان میں سوگ منایا گیا۔ جو زندہ بچ سکتے تھے وہ اسپتال میں زیرِ علاج تھے۔ ان کی صحت یابی کی دعائیں مانگی جارہی تھیں۔ پولیس والوں

اخبارات والوں اور فوٹو گرافرز کی آمد و رفت سے چک میں رونق لگی ہوئی تھی۔

دوسرے ہی دن کے اخبارات میں ہمارے ساتھ ہونے والے واقعات کی تفصیلات شائع ہوگئیں۔ روبینہ نے ایک اخبار میں اپنے متعلق بہت کچھ پڑھا اور یہ پڑھ کر حیران ہوئی کہ کوئی پُراسرار شخص اس کی حمایت میں مجرموں کا جینا حرام کر رہا ہے۔

اس نے فون پر عینی سے کہا۔ ’’تم اس چک میں موجود ہو۔ وہاں جو ہو رہا ہے، اسے آنکھوں سے دیکھ رہی ہو۔ پلیز۔۔۔ اس پُراسرار شخص کے متعلق بتاؤ؟ تمہارے خیال میں وہ کون ہوسکتا ہے؟‘‘

عینی نے کہا۔ ’’یہاں سب ہی حیران ہیں۔ کوئی سمجھ نہیں پا رہا ہے کہ وہ کون ہے؟‘‘

روبینہ نے کہا۔ ’’وہ کوئی آسمان سے اتر کر آنے والا فرشتہ نہیں ہوگا۔ اس کا تعلق اسی چک سے ہوگا۔ ہوسکتا ہے پہلے سے ہی اس کی دشمنی ان تینوں سے چلی آ رہی ہو یا پھر اسے مظلوموں کو انصاف دلانے کا خبط ہو۔ میں ایسے کسی خبطی کو نہیں جانتی اور وہ ہے کہ میرے لیے ایسی خطرناک جنگ لڑ رہا ہے۔‘‘

اس رات عینی نے مجھے فون پر بتایا۔ ’’شکوریا‘ کاچھی اور باسو کے ساتھ جو ہو رہا ہے، روبینہ اس کے متعلق اخبار میں پڑھ کر حیران ہو رہی ہے اور اپنی باتوں سے بڑی حد تک مطمئن لگ رہی ہے۔ اس بیچاری کو کسی حد تک انصاف مل رہا ہے۔‘‘

میں نے کہا۔ ’’جب وہ پُراسرار شخص ان تینوں سے اقبالِ جرم کرانے میں کامیاب ہوگا اور اس کے ساتھ زیادتی کرنے والے کو سزا ملے گی تو روبینہ کو قلبی سکون حاصل ہوگا۔‘‘

میں اپنی عینی کو دل و جان سے چاہتا تھا۔ اس سے کوئی بات نہیں چھپاتا تھا۔ فی الحال اپنی موجودہ سرگرمیوں کو چھپا رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں فون پر اتنا گہرا اور سنگین راز سنا نہیں سکتا تھا۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ ایسی باتیں روبرو بیٹھ کر بڑی رازداری سے کی جاتی ہیں اور رازداری برتنے کے لیے اس سے کہیں ملاقات نہیں ہو رہی تھی۔

وہ مجھ سے منسوب ہونے والی تھی۔ اس لیے بزرگوں نے ہمارے درمیان فاصلہ رکھا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ کبھی کہیں اتفاق سے ملنے کا موقع ملے گا تو اسے اپنا رازدار بنالوں گا۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ روبینہ ان تینوں کی حالتِ زار پر کسی حد تک مطمئن ہے۔ وہ یقیناً یہ چاہتی ہوگی کہ اس کے ساتھ زیادتی کرنے والا بے نقاب ہو جائے اور اسے قرار واقعی سزا ملے۔

سارے ہی مجرم میرے سامنے تھے اور سزائیں پا رہے تھے۔ حشمت اصل گناہ گار تھا۔ اب اس کا آرام و سکون ختم ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ’’کاچھی باسو اور تمہارے پھوپھا اسپتال میں پڑے ہیں۔ اب تک انہوں نے میرے متعلق کچھ اگلا نہیں ہے مگر اب اگل دیں گے۔ دشمن نے انہیں توڑ کر رکھ دیا ہے۔ سب ہی کو اپاہج بنا دیا ہے۔ وہ اس کے ہاتھوں مرنا نہیں چاہیں گے۔‘‘

میں نے کہا۔ ’’تمہارا اندیشہ‘ تمہارا خوف درست ہے۔ میں سمجھ رہا ہوں۔ ان کی قوتِ مدافعت ختم ہوچکی ہے۔ اب وہ اقبالِ جرم کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی تمہاری شامت آجائے گی۔‘‘

اس نے کہا۔ ’’مجھے یہاں سے کہیں دور جا کر چھپ کر رہنا چاہیے۔‘‘

’’ہاں۔ کہیں چھپ کر رہنا چاہیے۔ جب حالات سازگار ہوں تو واپس چلے آنا مگر کہاں جاؤ گے؟‘‘

’’کراچی بہت بڑا شہر ہے۔ وہاں روپوش رہ سکوں گا۔‘‘

میں اس کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا، وہ بولا۔ ’’امی اور چھانو سے کوئی بہانہ کروں گا۔ یہ کہہ دوں گا کہ اپنے رشتے داروں سے ملنے فیصل آباد جا رہا ہوں۔‘‘

’’ان کی فکر نہ کرو۔ میں امی اور چھانو کو سمجھا دوں گا۔ حالات جلد ہی سازگار ہو جائیں گے۔‘‘

’’میں دوپہر کے کھانے کے بعد یہاں سے نکل جاؤں گا۔‘‘

’’میں تمہیں جیپ میں لے چلوں گا۔ تم اوکاڑہ سے کسی بس میں چلے جانا۔‘‘

وہ نئی منزل کا تعین کر کے نئے سفر کی تیاری کرنے لگا۔ میں نے کمرے میں آ کر دروازے کو اندر سے بند کیا۔ فون کی سم بدل کر پھوپھی کا نمبر ملایا۔ وہ اپنے بیٹے باسو اور اپنے شوہر کی تیمارداری کے لیے اسپتال میں تھی۔ فون پر ایک اجنبی کی آواز سن کر بولی۔ ’’ہیلو کس سے بات کرنی ہے؟‘‘

میں نے کہا۔ ’’تمہارے بیٹے یا شوہر سے۔‘‘

وہ بیٹے سے بولی۔ ’’باسو کوئی تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔ لو بات کرو۔‘‘

چند لمحوں بعد باسو کی آواز سنائی دی۔ ’’ہیلو، کون ہو تم۔۔۔؟‘‘

’’مجھے آواز سے پہچان لو۔‘‘

ایسے وقت میں آواز بدل کر حلق اور ناک سے بولتا تھا۔ منہ میں کاغذ کا ایک چھوٹا سا گولا ہوتا تھا۔ اس طرح آواز بالکل ہی بدل جاتی تھی اور وہ آواز ان کے لیے موت کا پیغام بن جاتی تھی۔

وہ خوفزدہ ہو کر تقریباً چیختے ہوئے بولا۔ ’’ہمیں معاف کر دو۔ خدا کے لیے ہمیں معاف کر دو۔ تم جو کہہ رہے ہو، ہم وہی کریں گے۔ مجسٹریٹ کے سامنے بیان دیں گے کہ ہم ایک نوبیاہتا دلہن روبینہ کے مجرم ہیں۔ تمہیں خدا کا واسطہ ہے، اب ہم سے دشمنی نہ کرو۔‘‘

’’مجھے یقین ہے، اسپتال سے باہر آ کر مرنا نہیں چاہو گے۔ تم چاروں اپنا اپنا جرم قبول کرو گے، جاؤ میں نے پیچھا چھوڑ دیا۔ باقی کی زندگی اپاہج بن کر گزارتے رہو۔‘‘

میں نے رابطہ ختم کر دیا۔ آئندہ ان کے قریب رہ کر دیکھ سکتا تھا کہ وہ کیا کرنے والے ہیں؟ دوپہر کو حشمت میرے ساتھ جیپ میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہونے لگا۔

میں نے آگے جا کر راستہ بدلتے ہوئے کہا۔ ’’میں تمہیں اپنے ماموں کے پاس لے جا رہا ہوں۔ وہاں ان سے ملاقات کروں گا۔ وہیں سے تمہیں گاڑی مل جائے گی۔‘‘

وہ ہمارے علاقے سے جلد سے جلد دور نکل جانا چاہتا تھا۔ اس نے اعتراض نہیں کیا۔ میں نے پوچھا۔ ’’تم بچپن سے کمینے ہو یا پہلی بار روبینہ کے ساتھ کمینگی دکھائی ہے؟‘‘

اس نے ٹھٹک کر مجھے دیکھا پھر پوچھا۔ ’’مجھے کمینہ کیوں کہہ رہے ہو؟ اس بات کو سیدھی طرح بھی پوچھ سکتے ہو۔‘‘

’’چلو سیدھی طرح بتا دو۔ ایک معصوم کنواری لڑکی کی عزت لوٹنے کے بعد تمہارا ضمیر کبھی ملامت کرتا ہے یا نہیں؟‘‘

’’...تم فضول باتیں کیوں کر رہے ہو؟ کوئی دوسری بات کرو۔‘‘

’’تم سب مجھے ایب نارمل اور خبطی کہتے رہے اور خبطی ایسی ہی باتیں کرتے ہیں جو کمینوں اور بدمعاشوں کے مزاج پر گراں گزرتی ہیں۔ میں تمہیں روبینہ کی عدالت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔‘‘

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر کہا۔ ’’یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ کیا روبینہ نے کہیں عدالت لگا رکھی ہے جو تم مجھے اس کی عدالت میں پیش کرو گے۔‘‘

’’نہیں، تم وہاں نہیں جاؤ گے۔ روبینہ یہاں آئے گی۔‘‘

ہم تقریباً بیس کلومیٹر دور نکل آئے تھے۔ ویران راستے سے گزر رہے تھے۔ وہ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں پختہ سڑک کو چھوڑ کر کچے راستے پر جا رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ’’ادھر کہاں جا رہے ہو؟‘‘

’’روبینہ کے پاس۔۔۔‘‘

وہ میری سنجیدگی دیکھتے ہوئے بولا۔ ’’گاڑی روکو۔۔۔‘‘

میں گاڑی روک کر اتر گیا۔ پچھلی سیٹ کے نیچے سے رائفل نکالتے ہوئے بولا۔ ’’نیچے اترو۔‘‘

وہ رائفل دیکھتے ہی سمجھ گیا۔ جیپ سے اترتے ہوئے بولا۔ ’’تمہارے تیور اچانک ہی بدل گئے ہیں۔ تم نے رائفل کیوں نکالی ہے اور اسے چھپا کر کیوں لائے ہو؟‘‘

میں جیپ کے ایک طرف سے گھوم کر اس کے سامنے آگیا۔ اسے نشانے پر رکھتے ہوئے بولا۔ ’’زندگی کتنی عزیز، کتنی حسین اور قیمتی ہوتی ہے، اس سے زیادہ بہن کی آبرو قیمتی ہوتی ہے۔‘‘

میں نے ٹریگر دبایا۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ہی ایک گولی اس کی ٹانگ میں لگی۔ وہ اچھل کر زمین پر گر پڑا۔ روتے ہوئے گڑگڑانے لگا۔ ’’مجھے نہ مارو۔ میں تمہارا بہنوئی ہوں۔‘‘

’’کیسے ہو تم لوگ؟ ایک عورت کے مجازی خدا بن کر باقی عورتوں کے لیے شیطان بن جاتے ہو۔ میری بہن سے اپنا گناہ چھپاتے ہو۔ اسے دھوکا دیتے ہو اور اس کے سرتاج بھی کہلاتے ہو۔ تم کیا سمجھ رہے تھے‘ گناہ کرنے کے بعد سزا سے بچ جاؤ گے؟‘‘

وہ عاجزی سے بولا۔ ’’میری ایک بات مان لو۔ مجھے ابھی چھانو کے پاس لے چلو۔ بہن کی صورت دیکھ کر تم مجھ پر گولی نہیں چلاؤ گے۔‘‘

’’میری ایک بہن روبینہ بھی ہے۔ کیا وہ تمہیں معاف کر دے گی؟‘‘

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا، میں نے کہا۔ ’’کچھ نہ کہو، روبینہ آ رہی ہے۔ وہی تمہیں سزا سنائے گی۔‘‘

عینی نے مجھے روبینہ کے نمبر بتائے تھے۔ میں نے فون نکال کر نمبر پنچ کیے۔ تھوڑی دیر میں رابطہ ہوتے ہی روبینہ کی آواز سنائی دی۔ ’’ہیلو۔ کون۔۔۔؟‘‘

میں نے کہا۔ ’’میں تمہارا وہی پُراسرار بھائی ہوں، جسے دشمن اور قانون کے محافظ سب ہی تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔‘‘

اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ ’’کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ کیا تم میرے وہی محسن‘ وہی بھائی ہو؟‘‘

’’یقین کر لو۔ میں وہی ہوں۔ تمہاری زندگی برباد

کرنے والے چار مجرم ہیں۔ ان میں سے تین کو میں نے اپاہج بنا دیا ہے۔ وہ اپنا جرم قبول کرنے والے ہیں۔ چوتھا مجرم اس وقت میرے سامنے زخمی حالت میں پڑا ہے اور یہی تمہارا اصل مجرم ہے۔ یہی کمینہ تمہاری حجلہ عروسی میں آیا تھا۔"

وہ نفرت سے بولی۔ "اگر یہ وہی ہے تو پہلے اس پر تھوکو پھر بولو۔"

میں نے آخ تھو کہتے ہوئے حشمت پر تھوک دیا پھر کہا۔ "تم روبینہ کی عدالت میں ہو۔ اس کی طرف سے تم پر تھوکا جا رہا ہے۔ یہ لو فون اور اس کے سامنے اپنے گناہ کو قبول کرو۔"

وہ فون لینے سے ہچکچا رہا تھا۔ میں نے اس کے منہ پر ایک لات ماری۔ وہ بیٹھے بیٹھے پیچھے کی طرف گر پڑا۔ میں نے سختی سے کہا۔ "اٹھو۔ وہ انتظار کر رہی ہے۔"

اس نے فوراً ہی اٹھ کر میرے ہاتھ سے فون لیا پھر اسے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "میں۔ میں تمہارا مجرم ہوں۔ میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ خدا مجھے معاف نہیں کرے گا۔ تم معاف کر دو۔"

روبینہ نے پوچھا۔ "کیوں معاف کر دوں؟ میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا کتے۔۔۔؟"

"انسان کبھی شیطان کا کچھ نہیں بگاڑتا۔ شیطان انسان کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ میں نے تم سے بدترین دشمنی کی ہے۔ تم مجھے بلال کا بہنوئی سمجھ کر معاف کر دو۔"

اس نے پوچھا۔ "یہ بلال کون ہے؟"

"یہی میرا سالا ہے۔ یہی مجھے تمہاری عدالت میں لایا ہے۔ تمہارا محسن ہے۔ ذرا سوچو۔۔۔ میں مر جاؤں گا تو تمہارے محسن کی بہن بیوہ ہو جائے گی۔"

اس نے کہا۔ "فون میرے بھائی کو دو۔"

اس نے میری طرف فون بڑھا دیا۔ میں نے اسے لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔ یہ بتا دوں کہ یہ ذلیل، کمینہ بدقسمتی سے میرا بہنوئی ہے۔ میں انصاف کی خاطر رشتے کا لحاظ نہیں کروں گا۔ ایسے شیطان کو مر جانا چاہیے۔"

"کیا میری خاطر اپنی بہن کا سہاگ اجاڑ دو گے؟"

"اس نے حجلہ عروسی میں میری ایک بہن کا سہاگ اجاڑا ہے۔ یہ مرے گا تو میری بہن چھانو کو ایک شیطان سے نجات مل جائے گی۔"

وہ بولی۔ "مجھے یاد آ رہا ہے، تم وہی بلال ہو جس کی جیب سے انگوٹھی نکال کر اسے میرے ساتھ بدنام کیا جا رہا تھا؟"

"ہاں۔ میں وہی ہوں۔"

"اس کا مطلب، تم میری سہیلی کے منگیتر ہو؟"

"ہاں۔ میں اس کا منگیتر ہوں۔"

"اور تم نے ہی شینا کو اغوا ہونے والی بدنامی سے بچایا ہے؟"

"ہاں۔ وہ بھی میری بہن ہے۔"

"تم بہت اچھے اور عظیم ہو۔ نہ جانے کتنی بہنوں کے لیے کتنے محاذوں پر لڑتے آ رہے ہو؟ میں تمہاری بہن بن کر فخر کر رہی ہوں۔"

"ابھی یہ بات زبان پر نہ لانا کہ ان مجرموں سے اقبال جرم کرانے والا وہ پُراسرار شخص میں ہی ہوں۔ یہ بات عینی بھی نہیں جانتی۔ میں اسے بعد میں بتاؤں گا۔"

وہ بولی۔ "تمہاری ہر بات سر آنکھوں پر۔ جو بولو گے، میں وہی کروں گی۔ تم نے مجرموں کو سزا دے کر میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔ اب میں سر اٹھا کر کہہ سکوں گی کہ تم میرے منصف اور غیرت مند بھائی ہو۔"

"یہ تمہارا اصل مجرم اور گناہ گار ہے، اسے سزا سناؤ۔"

وہ بڑے دکھ سے بولی۔ "میرے اندر آہیں، کراہیں اور چیخیں دبی ہوئی ہیں۔ انہیں کوئی سننے والا نہیں تھا۔ میں یہ سب کچھ اپنے مجرم کی آہوں اور کراہوں میں سننا چاہتی ہوں۔ یہ تڑپے گا، چیخے گا تو میرے اندر سے سارا غبار نکلتا رہے گا۔"

"اچھا تو پھر سنو۔۔۔"

میں نے حشمت کی دوسری ٹانگ پر گولی ماری۔ وہ چیخنے اور تڑپنے لگا۔ ایسے وقت وہ رونے لگی۔ روتے ہوئے کہنے لگی۔ "سہاگ کی سیج پر میری شرم و حیا ایسے ہی چیخ رہی تھی۔"

میں نے حشمت کو نشانے پر لے کر کہا۔ "یہاں سے بھاگو۔ دونوں ٹانگیں ناکارہ ہو چکی ہیں۔ روبینہ تصور میں دیکھے گی کہ تم کس طرح زمین پر گھسٹ رہے ہو؟"

وہ وہاں سے گھسٹتا ہوا دور جانے کی کوشش کرتے ہوئے رحم کی بھیک مانگنے لگا۔ میں نے اس کے ایک بازو پر گولی ماری۔ وہ پھر تڑپنے اور چیخیں مارنے لگا۔ تین گولیاں کھا چکا تھا۔ چوتھی گولی گردن میں لگی۔ وہ ایک دم سے اوندھے منہ مٹی میں مل گیا۔ اس کے حلق سے آخری چیخ نکلی۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گیا۔

مجھے فون پر دھیمی دھیمی سی سسکیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس کا مجرم مارا گیا تھا مگر ان لمحات میں اس کا دکھ بھاری ہو گیا۔ وہ جیتے جی اپنی آبرو کی میت پر رو رہی تھی۔

▼▼▼

متبادل راستہ

تنویر ریاض

یکسانیت کا جمود زندگی کو بے کیف۔۔۔ سپاٹ بنا دیتا ہے۔۔۔ تبدیلیوں کے بغیر کسی شے میں مزہ نہیں۔۔۔ وہ بھی اپنے لگے بندھے معمولاتِ زندگی سے تنگ آ چکا تھا۔۔۔ اسے کسی تبدیلی۔۔۔ تغیر کی اشد ضرورت تھی۔۔۔ بالآخر اسے اپنی زندگی کو بدلنے کا ایک طریقہ سوجھ گیا۔۔۔

جانے راستوں سے گھبرا کر ایک نئی راہ اختیار کرنے والے خبطی کی مجرمانہ روداد

اس نے کار روک کر کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ اسے یہ جگہ مناسب معلوم ہوئی۔ حالانکہ اس کا رکنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن بعض اوقات کچھ کام بلا ارادہ بھی کرنے پڑ جاتے ہیں۔ اس نے گاڑی سڑک کے کنارے درختوں کے جھنڈ کے پاس روکی اور باہر آ گیا۔ دراصل اسے شدت سے حاجت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ فارم کی دیوار کی طرف بڑھا جو درختوں کی قطار کے عین پیچھے نظر آ رہی تھی۔ فراغت پانے کے بعد اس نے پتلون کی بیلٹ باندھی اور فارم کے جنگلے